البلاغ
سرپرست:
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

هٰذا بلاغ للناس

دار العلوم کراچی کا ترجمان ماہ نامہ

مدیر:

محمد تقی عثمانی

ناظم:

سید محمد معروف

رجب المرجب ۱۳۹۳ھ ستمبر ۱۹۷۳ء

جلد: ۷ شمارہ: ۷

فی پرچہ: ایک روپیہ

سالانہ: دس روپے۔ غیر ممالک: ایک پونڈ، ہوائی ڈاک سے: دو پونڈ

ترتیب

خط و کتابت کا پتہ:

البلاغ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

فون:

۴۸۱۱۷

ناشر محمد تقی عثمانی، طابع مشہور آفسٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر

اسمبلی کی دو قراردادیں

•

حمد و ستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اُس کے آخری پیغمبرؐ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

•

پچھلے مہینہ قومی اسمبلی میں جناب مولانا عبدالحق صاحب نے یہ قرارداد پیش کی تھی کہ پاکستان سے سودی نظامِ معیشت کا مکمّل خاتمہ کیا جائے، یہ قرارداد ملک کے بُنیادی مقاصد اور ان دعووں کے عین مطابق تھی جو قیامِ پاکستان کے وقت سے مسلسل کئے جارہے ہیں، اور جن کا اظہار ہمارے تقریباً ہر دستور میں کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن ہر اُس تجویز کی طرح جو اس ملک میں کوئی خوشگوار انقلاب لاناچاہتی ہو، یہ تجویز بھی بالکلیہ مسترد کردی گئی۔

اس قرارداد کو مسترد کرنے کے لئے سب سے بڑا عذر یہ پیش کیا گیا ہے کہ جس نظامِ معیشت کی ساری رُوح سُود پر قائم ہے اُسے راتوں رات تبدیل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لئے وقت درکار ہے۔ بات بظاہر بڑی "معقول" معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ "معقول" بات ہم پچھلے چھبیس سال سے سُنتے چلے آرہے ہیں۔ جب کبھی ملک سے کسی بُنیادی خرابی کو دُور کرنے کی بات اُٹھتی ہے تو ہمیشہ اُسے یہ کہہ کر ٹلا دیا جاتا ہے کہ یہ کام راتوں رات انجام نہیں دیا جاسکتا، اس کے لئے وقت اور محنت کی ضرورت ہے۔

اس بات کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ انقلابی اقدامات راتوں رات انجام نہیں دیئے جاسکتے، لیکن یہ بات اُن لوگوں کے مُنہ سے تو اچھی لگ سکتی ہے جو شب و روز محنت کرکے اس بات کی جان توڑ کوشش کررہے ہوں کہ کسی طرح اس ملک کو سُود، قمار، شراب اور اس جیسی دوسری لعنتوں سے پاک کردیا جائے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں

کہ ربع صدی سے زائد کی اس مدت میں کھوکھلے وعدوں کا وظیفہ پڑھنے اور مشکلات کا رونا رونے کے سوا کوئی کام نہیں ہوا، اور موجودہ حکومت نے بھی بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود کوئی ایک قدم بھی اس سمت میں نہیں اُٹھایا تو پھر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ یہ باتیں محض بے عملی کا بہانہ نہیں ہیں۔

یہ بات ہم سالہا سال سے سُنتے چلے آرہے ہیں کہ اپنے نظام معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کا کام "راتوں رات" نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بات اپنی حد میں درست بھی ہے۔ لیکن ہماری گزارش یہ ہے کہ اس "راتوں رات" کی کوئی حد مقرر ہونی چاہیئے، اگر آپ ملک میں اسلامی اصلاحات لانے کے ارادے میں سنجیدہ ہیں تو ایک مرتبہ یہ طے کرلیجئے کہ یہ کام کتنی مدت اور کتنا وقت چاہتا ہے، اس کے بعد اس مدت کے دائرے میں رہ کر اس راہ کے مراحل کو طے کیجئے تاکہ یہ امید تو کی جاسکے کہ آج نہیں تو اتنی مدت کے بعد اس ملک کے مسلمان اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کرسکیں گے، ورنہ بحالاتِ موجودہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی یہ "راتوں رات" کا بہانہ ختم نہیں ہوگا۔

مثلاً اگر آپ اس ملک سے فوری طور پر سُود کا خاتمہ نہیں کرسکتے تو آخر اس میں کیا مشکل درپیش ہے کہ علماء دین اور ماہرین بنکاری کی ایک مشترکہ کمیٹی قائم کرکے اُسے اس بات پر مامور کردیں کہ وہ ایک مقررہ مدت میں مُلک کے نظامِ معیشت کو غیر سودی بُنیادوں پر استوار کرنے کے لئے سفارشات پیش کرے اور یہ بتائے کہ اس کا طریقِ کار کیا ہونا چاہیئے؟ اس کے علاوہ اگر آج پورا نظام مالیات یکلخت تبدیل نہیں کیا جاسکتا تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنی نئی بننے والی پالیسیوں میں اس بات کا پورا لحاظ رکھیں کہ انھیں حتی الامکان سُود کی لعنت سے پاک رکھا جائے۔

ہم نے رجب ۱۳۹۲ھ کے البلاغ (ص ۲۷، ج ۶) میں تفصیل سے بتایا تھا کہ حکومت کی بہت سی مالی اسکیمیں ایسی ہیں جنھیں بغیر کسی دشواری کے فوراً تبدیل کرکے سُود سے پاک کیا جاسکتا ہے، اور اس میں نہ کسی طویل مدت کی ضرورت ہے اور نہ انھیں بدلنے میں کوئی عملی دشواری پیش آسکتی ہے۔ اگر آپ اس مُلک سے سُود کو ختم کرنے میں واقعتاً مخلص ہیں تو اس قسم کے جو اقدامات فوری طور پر کئے جاسکتے ہیں انھیں نظر انداز کرنے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر آپ نے اپنی زندگی میں سود، قمار اور شراب جیسی ام الخبائث کو ختم کرنے کے لئے کوئی قدم آگے بڑھایا ہوتا تو قوم آپ کا یہ عذر تسلیم کرسکتی تھی کہ ان برائیوں کی روک تھام راتوں رات نہیں ہوسکتی۔ لیکن بحالاتِ موجودہ جب کہ پچیس سال میں آپ نے نہ اس مقصد کے لئے کوئی ہاتھ پاؤں

ہلانے اور نہ مستقبلِ قریب میں ہلانے کے کوئی آثار ہیں تو یہ بات اس شخص کے عذر لنگ سے زیادہ کچھ نہیں جو زینے کی پہلی سیڑھیوں پر چڑھنے سے اس لئے انکار کرے کہ وہ ایک ہی جست میں اُوپر نہیں پہنچ سکتا۔

———★———

ایک اور قرارداد عرصہ ہوا، قومی اسمبلی میں پیش ہوئی تھی کہ ملک میں عام تعطیل کا دن اتوار کے بجائے جمعہ کو مقرر کیا جائے۔ یہ قرارداد اُس وقت اسٹینڈنگ کمیٹی کے حوالہ کردی گئی تھی کہ وہ اس کے عملی پہلو کا جائزہ لے کر اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے۔ اب اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مکمل کر کے اسمبلی کو پیش کر دی ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کیلئے جمعہ کے دن عام تعطیل کرنے میں کوئی قابلِ ذکر عملی دشواری نہیں ہے۔

اس طرح اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں اسمبلی کا ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ ہم قومی اسمبلی کے ارکان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس قرارداد پر عمل کے لئے جلد از جلد مؤثر اقدامات کئے جائیں۔

وما علینا الا البلاغ

محمد تقی عثمانی

۱۹/۶/۹۳ھ

———

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

سُورۃ طٰہٰ

۱۲۸ تا ۱۳۵

افلم یھد لھم کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مسٰکنھم ان فی ذٰلک لاٰیٰت لاولی النھٰی (۱۲۸) ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی (۱۲۹) فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا ج ومن اٰنائ الیل فسبح واطراف النھار لعلک ترضیٰ (۱۳۰) ولا تمدن عینیک الیٰ ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا ۵ لنفتنھم فیہ ط ورزق ربک خیر و ابقیٰ (۱۳۱) وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا ط لا نسئلک رزقا ط نحن نرزقک ط والعاقبۃ للتقویٰ (۱۳۲) وقالوا لولا یاتینا باٰیۃ من ربہ ط اولم تاتھم بینۃ ما فی الصحف الاولیٰ (۱۳۳) ولو انا اھلکنٰھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیٰتک من قبل ان نذل ونخزیٰ (۱۳۴) قل کل متربص فتربصوا ج فستعلمون من اصحٰب الصراط السوی ومن اھتدیٰ (۱۳۵)

خلاصہ تفسیر مع ترجمہ از بیان القرآن:

(یہ معترضین جو اعراض پر اصرار کر رہے ہیں تو) کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم اُن سے پہلے بہت سے گروہوں کو (اسی اعراض ہی کے سبب عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (ہی) سے بعض

کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں (کیونکہ شام کو جاتے ہوئے اہل مکہ کے رستہ میں بعض اُن قوموں کے مکانات آتے تھے) اس (امر مذکور) میں تو اہلِ فہم کے (سمجھنے کے) لئے (کافی) دلائل (اعراض کے نتائج بد ہونے کے) موجود ہیں اور (اُن پر فوری عذاب نہ آنے سے جو اُن کو شبہ اپنے مذہب کے مذموم نہ ہونے کا ہوتا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے زبانی ہوئی نہ ہوتی (وہ یہ کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ان کو مہلت دی جائے گی) اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی (کہ وہ قیامت کا دن ہے) تو (اُن کے کفر و اعراض کے اقتضائے) عذاب لازمی طور پر ہوتا۔ (خلاصہ یہ کہ کفر تو مقتضی عذاب کا ہے لیکن ایک مانع کی وجہ سے توقف ہو رہا ہے پس ان کا وہ شبہ اور فوری عذاب نہ آنے سے اپنے حق پر ہونے کا استدلال غلط ہے۔ غرض یہ کہ امہال ہے اہمال نہیں) سو (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو) آپ ان کی (کفر آمیز) باتوں پر صبر کیجئے (اور بغض فی اللہ کی وجہ سے جو ان پر غیظ آتا ہے اور ان پر تاخیر عذاب سے اضطراب ہوتا ہے اس سے اضطراب کو ترک کیجئے) اور اپنے رب کی حمد (وثنا) کے ساتھ (اُس کی) تسبیح (و تقدیس) کیجئے (اس میں نماز بھی آ گئی) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً نمازِ فجر) اور اس کے غروب سے پہلے (مثلاً نماز ظہر و عصر) اور اوقات شب میں (بھی) کیا کیجئے (مثلاً نماز مغرب و عشاء) اور دن کے اول و آخر میں (تسبیح کرنے کے واسطے اہتمام کے لئے مکرر کہا جاتا ہے جس سے نماز فجر و مغرب کے ذکر کی بھی اہتماماً تکرار ہو گئی) تاکہ (آپ کو ثواب ملے) آپ (اُس سے) خوش ہوں (مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے لوگوں کی فکر نہ کیجئے) اور ہرگز اُن چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسا اب تک بھی نہیں دیکھا) جس سے ہم نے ..... کفار کے مختلف گروہوں کو (مثلاً یہود و نصاریٰ و مشرکین کو) ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دُنیوی زندگی کی رونق ہے (مطلب اوروں کو سُنانا ہے کہ جب معصوم نبی کے لئے یہ ممانعت ہے جن میں احتمال بھی نہیں تو غیر معصوم کو تو اس کا اہتمام کیونکر ضروری نہ ہوگا اور آزمائش یہ کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے) اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا (اس سے) بہتر ہے اور دیرپا ہے (کہ کبھی فنا ہی نہ ہوگا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ نہ اُن کی اعراض بکسر الہمزہ کی طرف التفات کیا جائے نہ ان کے اَعراض بفتح الہمزہ یعنی اسبابِ عیش کی طرف سب کا انجام عذاب ہے۔) اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہلِ خاندان کو یا مومنین کو بھی) نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے (یعنی زیادہ توجہ کے قابل امور ہیں) ہم آپ سے (اور اسی طرح دوسروں سے

ایسے) معاش (کمانا) نہیں چاہئے (جو طاعات ضروریہ سے مانع ہوں) معاش تو آپ کو (اور اسی طرح اور ُں کو) ہم دیں گے (یعنی مقصود اصلی اکتساب نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعت میں وہ مخل نہ ہو) اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے (اس لئے ہم حکم دیتے ہیں لا تمدّن اور وَأمر اهلک الخ۔ اور معترضین کے بعض احوال و اقوال جیسے اوپر معلوم ہوئے اسی طرح اُن کا ایک اور قول بھی مذکور ہوتا ہے کہ) وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ (رسول، ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے۔ (آگے جواب ہے کہ) کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کے مضمون کا ظہور نہیں پہنچا۔ (مُراد اس سے قرآن ہے کہ اس سے کتب سابقہ کے مضمون پیشین گوئی کے صدق کا ظہور ہوگیا مطلب یہ کیا ان کے پاس قرآن نہیں پہنچا جس کی پہلے سے شہرت تھی کہ وہ نبوت پر کافی دلیل ہے) اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے (سزائے کفر میں) کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے (اور پھر قیامت کے روز اصل سزا کفر کی دی جانی کہ وہ لازم ہی تھی) تو یہ لوگ (بطور عذر کے) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول (دُنیا میں) کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں خود) بے قدر ہوں اور (دوسروں کی نگاہ میں) رُسوا ہوں (سو اب اس عذر کی بھی گنجائش نہیں رہی اگر وہ یوں کہیں کہ وہ عذاب کب ہوگا تو) آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کرلو اب عنقریب تم کو (بھی) معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا (یعنی وہ فیصلہ عنقریب بعد موت یا بعد الحشر ظاہر ہو جاوے گا۔)

معارف و مسائل

افلم یھد لھم یھد میں ضمیر فاعل ہُدیٰ کی طرف راجع ہے جو اسی لفظ کے ضمن میں مذکور ہے اور ہدیٰ سے مراد قرآن یا رسول ہے تو معنے یہ ہیں کہ کیا قرآن یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یعنی اہلِ مکہ کو یہ ہدایت نہیں دی اور اس سے باخبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے کتنی امتیں اور جماعتیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں جن کے گھروں اور زمینوں میں اب تم چلتے پھرتے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں ضمیر فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو اور معنے یہ ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو یہ ہدایت نہیں دی، الخ۔

فاصبر علی ما یقولون اہلِ مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش

کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرے بُرے کلمات سے یاد کرتے تھے کوئی ساحر کوئی شاعر کوئی کاذب کہتا تھا ان کی ایذاؤں کا علاج قرآن کریم نے اس جگہ دو چیزوں سے بتلایا ہے اوّل یہ آپ ان کے کہنے کی طرف التفات نہ کریں بلکہ صبر کریں دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانا جو اگلے جملے میں وسبّح بحمد ربک کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کا علاج صبر اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو جانا ہے

دشمنوں سے تو اس دُنیا میں کسی چھوٹے بڑے اچھے بُرے انسان کو نجات نہیں ملتی ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی حقیر وضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے زبانی گالی گلوچ ہی سہی سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے ایک مرکب بیان فرمایا ہے۔ اوّل صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا۔ اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے۔ ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی اور بڑا اور صاحبِ اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا۔ اور یہ فکرِ انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لئے بن جاتی ہے اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دُنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیّت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال وافعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیض وغضب خود کافور ہو جاتا ہے اسی لئے آخر آیت میں فرمایا لعلک ترضی یعنی اس تدبیر سے آپ امنی خوشی بسر کر سکیں گے وسبّح بحمد ربک یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں۔ اُس کی حمد شکر کے ساتھ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے یا کچھ عبادت کرنے کی توفیق ہو جائے اُس کو چاہیے کہ اپنے اس عمل پر ناز وفخر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر کو اپنا وظیفہ بنائے یہ ذکر اللہ یا عبادت اسی کی توفیق کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

اور یہ لفظ سبّح بحمد عام ذکر وحمد کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور خاص نماز کے معنے میں بھی، عموماً حضرات مفسّرین نے اس کو نماز ہی کے معنی میں لیا ہے۔ اور اس کے بعد جو اوقات معین کر کے بتلائے ہیں وہ بھی

نمازوں کے اوقات قرار دیئے ہیں مثلاً قبل طلوع الشمس سے مراد نماز فجر اور قبل غروبہا سے مراد نماز عصر ہوگئی۔ اور من آناء اللیل سے مراد رات کی سب نمازیں مغرب عشا یہاں تک کہ تہجد بھی اس میں شامل ہے اور پھر لفظ اطراف النہار سے اس کی مزید تاکید بتائی گئی ہے۔

دولتِ دُنیا چند روزہ ہے، یہ اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں بلکہ مومن کے لئے خطرہ کی چیز ہے

ولا تمدن عینیک اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور دراصل ہدایت کرنا امت کو ہے کہ دُنیا کے مالداروں سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دُنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں، آپ ان کی طرف نظر بھی نہ اٹھائیے کیونکہ یہ سب عیش فانی اور چند روزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو اور آپ کے واسطے سے مومنین کو عطا فرمائی ہے وہ بدرجہا ان کی اس چند روزہ رونقِ حیات سے بہتر ہے۔

دنیا کے کفار و فجار کی عیش و عشرت اور دولت و حشمت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لئے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض اور ذلیل ہیں تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں اور اطاعت شعار مومنین کی غربت و افلاس کیوں۔ یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا جس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے جس میں آپ خلوت گزیں تھے اور یہ دیکھا کہ آپ ایک موٹی موٹی تیلیوں کے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور ان تیلیوں کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر ابھرے ہوگئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر اور ان کے امراء کیسی کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ کے منتخب رسول اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابنِ خطاب کیا تم اب تک شک و شبہ میں مبتلا ہو۔ یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات و محبوبات اللہ نے اسی دُنیا میں اُن کو دے دی ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے۔ (اور مومنین کا معاملہ برعکس ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اپنے لئے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کر لیں اور جب کبھی دُنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت مشقت اور سعی و طلب کے آ بھی جاتی تھی تو فوراً

اللہ کی راہ میں غرباء فقراء پر اُس کو خرچ کر ڈالتے تھے، اور اپنے واسطے کل کے لئے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت ابو سعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان اخوف ما اخاف علیکم ما یفتح اللہ لکم من زھرۃ الدنیا

مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دولت و زینتِ دُنیا ہے جو تم پر کھول دی جاوے گی۔ (ابن کثیر)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو پہلے ہی یہ خبر بھی دے دی ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہارے فتوحات دنیا میں ہوں گی اور مال و دولت اور عیش و عشرت کی فراوانی ہو جائے گی۔ وہ صُورت حال کچھ زیادہ خوش ہونے کی نہیں بلکہ ڈرنے کی چیز ہے کہ اس میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام سے غفلت نہ ہو جائے۔

اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو نماز کی پابندی کی تاکید اور اس کی حکمت

واامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا یعنی آپ اپنے اہل کو بھی نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیئے۔ یہ بظاہر دو حکم الگ الگ ہیں، ایک اہل وعیال کو نماز کی تاکید دوسرے خود اس کی پابندی لیکن غور کیا جائے تو خود اپنی نماز کی پوری پابندی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ کا ماحول آپ کے اہل وعیال اور متعلقین نماز کے پابند ہوں کیونکہ ماحول اس کے خلاف ہوا تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

لفظ اھل میں، بیوی اولاد اور متعلقین سبھی داخل ہیں جن سے انسان کا ماحول اور معاشرہ بنتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ (قرطبی)

اور حضرت عروہ ابن زبیرؓ جب کبھی امراء و سلاطین کی دولت و حشمت پر اُن کی نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر میں لوٹ جاتے اور گھر والوں کو نماز کے لئے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سُناتے تھے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے اور یہی آیت پڑھ کر سُناتے تھے۔ (قرطبی)

جو آدمی نماز اور اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے رزق کا معاملہ آسان بنا دیتے ہیں

لا نسئلک رزقا یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زور علم و عمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے ذمہ رکھا ہے کیونکہ رزق کی تحصیل

دراصل انسان کے بس میں ہی نہیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ زمین کو نرم قابل کاشت بنائے اور کچھ دانے اس میں ڈال دے، مگر دانے کے اندر سے درخت نکالنا اور پیدا کرنا اس میں تو اس کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ درخت نکل آنے کے بعد بھی انسان کا سارا عمل اس کی حفاظت کرنا اور جو پھل پھول قدرت نے اُس کے اندر پیدا فرمائے ہیں اُن سے فائدہ اُٹھانا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ یہ بار محنت بھی اُس کے لئے آسان اور ہلکا کر دیتے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املأ صدرک غنی واسد فقرک وان لم تفعل ملأت صدرک شغلاً ولم اسد فقرک۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو میری عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرے تو میں تیرے سینے کو غناء و استغناء سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ فکر اور شغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا (یعنی جتنا مال بڑھتا جائے گا حرص بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی اس لئے ہمیشہ محتاج ہی رہے گا

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے:

من جعل همومه هماً واحدا هم المعاد كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به الهموم في احوال الدنيا لم يبال الله في اى اوديته هلك۔ رواه ابن ماجه (ابن کثیر)

جو شخص اپنے سارے فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنالے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دُنیا کی فکروں کی خود کفالت کرلیتا ہے اور جس کے فکر دُنیا کے مختلف کاموں میں لگے رہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں کہ وہ ان فکروں کے کس جنگل میں ہلاک ہو جائے۔

بينة ما في الصحف الاولى یعنی پچھلی آسمانی کتابیں تورات و انجیل اور صحف ابراہیم علیہ السلام وغیرہ سب کے سب رسول آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے آئے ہیں کیا یہ بینات اُن منکرین کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت نہیں ہے۔

فستعلمون من اصحاب الصراط السوی ومن اهتدی یعنی آج تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو زبان دی ہوئی ہے، ہر ایک اپنے طریقے اور اپنے عمل کے بہتر اور صحیح ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن یہ دعوے کچھ کام دینے والے نہیں، بہتر اور صحیح طریقہ تو وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول و صحیح ہو اور اس کا پتہ قیامت کے روز سب کو

لگ جائے گا۔ کہ کون غلطی اور گمراہی پر تھا کون صحیح اور سیدھے راستہ پر۔ اللھم اھدنا لما اختلف فیہ الی الحق باذنک لاحول ولا قوۃ الا بک ولا ملجاء ولا منجاء منک الا الیک

الحمدللہ الذی وفقنی لتکمیل تفسیر سورۃ طٰہٰ ضحٰی یوم الخمیس لاربع عشرۃ خلت من ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اسال لتکمیل باقی القرآن واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اس سورت کی تفسیر ۲۳ روز میں مکمل ہوئی فللہ الحمد۔

•

(عربی سے ترجمہ)

خدا کا انصاف

الاستاذ علی الطنطاوی

دُنیا میں بہت ایسے انسان بھی ہیں کہ جب وہ حوادث سے دوچار اور آلام و مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں تو جھنجھلا کر بول پڑتے ہیں "ظلم ہے، کھلا ہوا ظلم، یہ اللہ تعالیٰ کا انصاف نہیں"۔

عنفوان شباب میں بعض ایسے حوادث سے میں بھی دوچار ہوا۔ پھر ان حوادث نے مجھے فکر و تردد میں مبتلا کر ڈالا، کچھ دنوں بعد یہ فکر اور تردد شکوک و شبہات سے بدل گئے۔ بلکہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ شکوک و شبہات میری ایمانی پونجی ہی کو نہ لے ڈوبیں۔

میں فطری طور پر بہت بولنے والا اور بحث و مباحثہ سے دلچسپی رکھنے والا واقع ہوا ہوں، چنانچہ اپنے ان شکوک و شبہات کے سلسلے میں علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، ان سے پوچھتا رہا اور بحث و مباحثہ کرتا رہا کہ شاید ذہن سے یہ کانٹا نکل جائے۔ لیکن مجھے کوئی تشفی بخش جواب کہیں سے مل نہ سکا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ میرے شکوک و شبہات دن بدن بڑھتے ہی چلے گئے۔ نوبت بانیجا رسید کہ عام لوگوں کی طرح میں بھی کہنے لگا کہ "خداوندی انصاف سچ مچ انصاف کہاں ہے؟"

میں ان دنوں شہر غوطہ کے ایک دیہاتی مدرسہ میں مدرس تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک طالب علم کو اس کی کوتاہیوں پر تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آگئی، میں اسے زدوکوب کرنے لگا۔ طالب علم شوخ اور تندمزاج تھا، اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "یا حضرۃ الاستاذ! میں نے کوئی ایسا جرم

تو نہیں کیا ہے، پھر آخر یہ سزا کس بات کی۔ یہ تو مجھ پر آپ کا سراسر ظلم ہے۔"

شاید آپ باور نہ کریں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس کے ان الفاظ کے سُننے کے ساتھ ہی چھڑی میرے ہاتھ سے گر پڑی۔ نہ طالب علم کا خیال رہا نہ مدرسہ کا دھیان، اور دفعتاً میں ارخمید یونانی کی طرح پکار اٹھا وجدتھا وجدت الجواب، ہاں ہاں مجھے اپنے شکوک وشبہات کا جواب مل گیا۔

بلاشبہ یہ طالب علم قصوروار تھا اور مستحقِ سزا اور اس کی یہ سزا بالکل عدل وانصاف کے مطابق تھی، لیکن اس نے اس انصاف کو ظلم تصوّر کیا کیونکہ اس کا پیمانۂ عدل اور میزانِ انصاف اس وقت مختل اور مضطرب تھا، اور اسی اختلال واضطراب کا نتیجہ تھا کہ جو عدل تھا، اُسے عین ظلم نظر آیا۔ اگر یہ طالب علم اپنے والدین کے پاس جاتا اور صُورتِ حال کو بیان کر کے (بزعم خویش) میرے اس ظلم کی شکایت کرتا تو مجھے پُوری امید ہے کہ اس کے والدین اس کی باتوں کو سُن کر یہ ضرور کہتے کہ "بیٹے یہ ظلم نہیں انصاف ہے۔!"

اس کی مثال ٹھیک اس بچّہ کی ہے جسے اس کا باپ ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج لے گیا۔ ڈاکٹر نے دیکھ بھال کر اس کے لئے انجکشن تجویز کیا اور پچکاری میں دوا بھر کر انجکشن کی موٹی سُوئی اس کے جسم میں پیوست کر دی، اور دوا اُتار دی۔ بچّہ اپنی محدود عقل اور سمجھ سے مجبور تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو مجرم تصوّر کیا۔ اور اس کے اس عمل کو سراسر ظلم، مگر اس کا باپ جانتا ہے کہ یہ عمل میرے بچّے کی صحت وتن درستی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے وہ اس عمل کو بچے کے لئے بہتر اور ڈاکٹر کو اپنا خیر خواہ اور محسن سمجھتا ہے۔ میں نے سوچا کہ:

"جب ایک طالب علم کو اپنی فہم فراست اور بصیرت کے مطابق عدل کو ظلم کہنے کا حق حاصل نہیں، اور ایک بچّے کی رائے ڈاکٹر کے عمل کے بارے میں قابلِ تسلیم نہیں تو پھر کیونکر ہم اپنی عقل وبصیرت سے اللہ تعالیٰ کے عدل کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، کیا یہ ممکن نہیں کہ ہماری عقل جس چیز پر ظلم کا فتویٰ لگائے وہ فی الحقیقت سراسر عدل ہو۔"

یہاں پہنچ کر مجھے ایک مشہُور قصّہ یاد آیا، اس قصّہ کی نوعیت بھی ٹھیک اسی طرح کی ہے:۔

فرض کیجیے کہ ہم اپنے ایک دوست کے ساتھ بذریعہ کار ایک صحرائی سفر کر رہے ہوں، اچانک

پٹرول ختم ہو جائے اور کار رک جائے، ہم دونوں حیران و پریشان وہیں پڑے رہیں۔ گرمی کا زمانہ ہو۔ بادِ سموم کے جھونکے چل رہے ہوں۔ آفتاب کی حدت اور دھوپ کی تمازت بھی جوبن پر ہو اور بھوک پیاس کی شدت بھی اپنے شباب پر ہو۔ گویا شدید پریشانی کا عالم ہو۔ اسی عالم میں ایک شخص ایک شاندار کار پر سوار ہمارے پاس آدھمکے اور ہمیں اپنی کار میں بٹھا کر جانبِ منزل رواں دواں ہو جائے، یقیناً یہ اس کا بڑا احسان ہے۔ مگر چاہئے کہ ہم اس کے اس احسانِ عظیم پر شکر گذار ہوتے، اس کے بجائے ہماری طرف سے یہ ردِ عمل ہوتا ہے کہ کچھ آگے چل کر میرا وہ دوست جو میرا رفیقِ سفر ہے اس کی نئی اور خوبصورت کار کے گدے کو چاقو سے خراب کر دیتا ہے، بھلا بتائیے کہ ہم اس کے اس فعل پر کیا حکم لگائیں گے، یہی نا کہ یہ سراسر ظلم ہے۔

لیکن جب ہمیں یہ بات پہلے سے معلوم ہو کہ دس میل کے فاصلہ پر غنڈوں اور لٹیروں کا ایک گروہ ہے جو ہر نئی اور بے عیب کار کو چھین لیتا ہے اور پرانی اور عیب دار کار کو چھوڑ دیتا ہے تو کیا ہم نے جس فعل کو پہلے ظلم سے تعبیر کیا تھا، وہ عین عدل قرار نہیں پائے گا۔ اگر اس حقیقت سے خود صاحبِ کار واقف ہوتا تو کیا وہ خود اپنے ہاتھ سے اس گدے کو نہیں پھاڑتا یا کار کے کسی دوسرے حصے کو خراب نہیں کرتا؟

یقیناً کار کا فرش چاک کرنا ایک مذموم فعل ہے۔ لیکن جب کار کی بقا اور حفاظت کا راز چاک کرنے ہی میں مضمر ہو تو پھر اس وقت یہی فعلِ مذموم فعلِ حسن بن جائے گا۔ کیونکہ کار کا بچ جانا، خواہ اس کے گدے کو چاک ہی کیوں نہ ہونا پڑے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ گدا تو صحیح و سالم ہو لیکن وہ کار ہی ہم سے چھن جائے۔

جس قصہ کے یاد آنے کا ذکر میں نے ابھی کیا، وہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔ جسے قرآن نے سورۂ کہف میں بیان کیا ہے۔ اور اس کی نوعیت بالکل مذکورہ مفروضہ اور اس سے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کے مطابق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضرؑ کو کشتی میں سوراخ کرتے دیکھا تو انہیں ان کا یہ فعل ناگوار گذرا، کیونکہ ان کے سامنے واقعہ کا صرف ظاہری اور سطحی پہلو تھا، اور ایک حد تک ان کی یہ ناگواری بجا بھی تھی اس لئے کہ وہ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اور جانتے تھے کہ بلا اذن ملکِ غیر میں تصرف کرنا سزا اور ضمان کا موجب ہے، لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے پیشِ نظر واقعہ کا حقیقی اور باطنی پہلو تھا، اس لئے

انھوں نے وہ کیا جو کچھ انھیں کرنا تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ اپنی سمجھ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ قرآن نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے :-

مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ۔ (الکہف، آیت ۸۲) : میں نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا، اپنی سمجھ سے نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں ہم قطعاً اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کسی واقعہ کے صرف ایک پہلو کو دیکھ کر حقیقتِ حال پر مطلع ہوئے بغیر اس واقعہ کے اچھا یا بُرا ہونے کا حکم صادر کریں۔

اگر حکومت کا کوئی آدمی آپکے مکان کو ڈھانے لگے تو آپ کو سخت رنج و ملال ہوگا۔ اور اس کے اس ظلم پر بے حد غیظ و غضب کا اظہار کریں گے۔ لیکن جب آپ پہلے سے یہ جان رہے ہوں کہ حکومت اس کے عوض اس کی تین گنی قیمت ادا کرے گی تو پھر آپ پھولے نہ سمائیں گے۔ اور اسی فعل کو جسے آپ پہلے بُرا تصور کر رہے تھے حکومت کی جانب سے ایک عظیم عطیہ خیال فرمائیں گے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب انسان اس فعل کے کرنے پر مجبور ہے، جو اس کے مقدر میں ہے تو پھر اس فعل پر باز پرسی کا کیا مطلب، یہ بات عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

جبر و قدر کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں، بہت پرانا ہے۔ اس سلسلہ میں جو اصل جھگڑا ہے وہ ارادہ اور اختیار کا ہے۔ یعنی کیا ہم اپنے ارادے اور اختیار میں پورے طور پر آزاد ہیں، کچھ اس طرح کہ جو چاہیں کریں اور جیسا چاہیں کریں؟

بلاشبہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ابھی بیٹھے ہوئے ہوں، ابھی کھڑے ہو جائیں، لباس بدلیں اور لباس بدل کر گھر سے باہر نکل پڑیں۔ آخر اس میں کس کو تردد ہو سکتا ہے۔؟

پھر جب ہم گھر سے باہر نکل آئے تو اب اس پر بھی ہمیں اختیار حاصل ہے کہ مسجد جاکر نمازیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے لگیں اور اس پر بھی کہ لہو و لعب کی جگہ جاکر فسق و فجور کرنے والوں کے ساتھ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں۔ بھلا اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟

آپ فرمائیں گے ہم جو کام بھی کرتے ہیں، وہ پہلے ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ تو حضور! بصد ادب و احترام عرض ہے کہ اولاً آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ اور ہوا تو کام کرنے سے پہلے یا کام کرنے

کے بعد؟ کیا جو شخص فعل زنا کرتا ہے وہ پہلے لوحِ محفوظ کو دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ زنا اس کے مقدر میں ہے، پھر لاچار اور مجبور ہو کر احکام قدر کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے اس کا اقدام کر رہا ہے؟ یا کہ محض اپنی نفسانی خواہشات کی بھڑکی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے؟ اور کیا ایسا شخص تقدیر کے ہر فیصلے سے راضی ہے؟

ایک مرتبہ میری بحث اس جماعت کے ایک فرد سے ہو گئی جو کہ معصیت کے سلسلہ میں تقدیر کو پیش کرتی ہے۔ میں نے دوران بحث ایک زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ وہ چلانے لگا اور مجھ پر بری طرح ٹوٹ پڑا، لیکن فوراً ہی لوگ میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گئے اور میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد جب اس کا غصہ اتر گیا تو میں نے ہمدردانہ لب و لہجہ میں کہا کہ بھائی میرے قریب آؤ، اب میں تمھیں مارنے کی وجہ بتاؤں۔

جب وہ میرے قریب آ گیا تو میں نے اس سے کہا دیکھو۔ تم سے میری دشمنی نہ پہلے کبھی رہی نہ اب ہے غرض میرے مارنے کی صرف یہ تھی کہ تم پر میں حجت قائم کر سکوں تم یہی تو کہتے ہو کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تقدیر کے فیصلے سے ہوتا ہے اور ہم اس میں مجبور رہتے ہیں۔ تو کیا میں نے جو تمھیں تھپڑ لگایا وہ تمھاری تقدیر میں نہیں تھا؟ پھر تم اس تھپڑ سے خوش کیوں نہیں ہوئے؟

ایسے لوگ اپنے نظریہ کی تائید میں چند ظواہر آیات و احادیث پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ یضل بہ کثیراً و یہدی بہ کثیراً[1]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ:

ان الجنین عند ما یخلق یکتب مارزقہ واجلہ وشقی ام سعید[2]

بطور جواب عرض ہے کہ اس طرح کی آیات اور احادیث نے مجھے بھی ایک دن سخت الجھن میں ڈال دیا اور میں دیر تک پیچ و تاب کھاتا رہا، اللہ کا خاص فضل رہا کہ اس پیچ و تاب کے بعد حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی۔

جب حقیقت کا پردہ اُٹھ گیا تو میں نے محسوس کیا کہ اس سلسلہ میں بات ساری الجھن اور دشواری کی یہ ہو جاتی ہے کہ ہم کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو لے لیتے ہیں اور باقی جو احادیث اور آیات ہیں ان سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کسی بھی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے

---

[1] گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔

[2] بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے اسی وقت اس کے رزق اور موت کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ بدبخت ہو گا یا نیک بخت۔

کہ موضوع کا تمام پہلو سامنے ہو۔ اسی عام قاعدے کے تحت یہاں بھی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ پیشِ نظر قرآن کی تمام آیات اور احادیث کا پورا ذخیرہ ہو۔

میری الجھن اسی طرح سے دور ہوئی۔ اولاً میری نظر خداوندِ قدوس کے اس ارشاد پر گئی "یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا"[1] لیکن کچھ دیر بعد دوسرا ارشاد بھی سامنے آ گیا جس میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے، یعنی "ھدی للمتقین"[2] اور "ما یضل بہ الا الفاسقین"[3]

اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "ہدایت" اور "ضلالت" (گمراہی) دو وصف ہیں، جو شخص متقی ہوگا اس کے لئے قرآن باعثِ ہدایت ہے اور جو فاسق ہوگا اس کے لئے باعثِ ضلالت ہوگا۔

پھر میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ یہ ٹھیک ہے کہ مجھے خبر نہیں کہ کون متقی ہوگا اور کون فاسق لیکن شاید اللہ تعالیٰ کسی کے متقی اور کسی کے فاسق ہونے کا فیصلہ فرما چکا ہو تو پھر اس صورت میں تو معاملہ بندے کی قدرت سے باہر ہوگا۔ ذہن میں سوال لئے ہوئے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا۔ غور و خوض کے بعد پتہ چلا کہ خدا کی طرف سے نہ تو بندہ زہد و تقویٰ پر مجبور ہے اور نہ ہی فسق و فجور پر۔ تمام ممکنہ افعال و اعمال میں اسے کرنے اور نہ کرنے کی پورے طور پر قدرت حاصل ہے۔ ارشاد ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (البقرہ آیت: ۲-۳)

(قرآن ایسی کتاب ہے جو) راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ. (البقرہ۔ آیت ۲۶۔ ۲۷)

---

[1] گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔

[2] (قرآن ایسی کتاب ہے جو) راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔

[3] اور اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتے اس کے ذریعہ مگر راہِ حق سے اعراض کرنے والوں کو۔

مولانا محمد رفیع عثمانی

قیامت کی علامتیں

اس موضوع پر فاضل مضمون نگار کے دو مفصل مضمون پہلے شائع ہو چکے ہیں جو موصوف کی مرتب کردہ کتاب "نزولِ مسیح اور علامات قیامت" سے ماخوذ تھے۔ اس کتاب کے آخر میں انھوں نے ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں علاماتِ قیامت کو مرتب طریقے سے بیان کیا گیا ہے اور ہر علامت کے ساتھ حدیث سے اس کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں وہ فہرست پیش خدمت ہے، البتہ حوالے حذف کر دیئے گئے ہیں جو صاحب چاہیں مذکورہ کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔ اتنا واضح رہے کہ یہ ساری علامتیں معتبر احادیث سے ماخوذ ہیں جن میں سے کوئی ضعیف اور موضوع نہیں ہے۔ ——— (ادارہ)

علاماتِ قیامت بترتیب زمانی

قیامت سے پہلے ایسے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے کہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھا کریں گے کیا ان کے بارے میں تمہارے نبی نے کچھ فرمایا ہے۔ تیس بڑے بڑے کذاب ظاہر ہوں گے۔ سب سے آخری کذاب کانا دجال ہوگا۔ لیکن (نزولِ عیسیٰ تک) اس امت میں ایک جماعت حق کے لئے برسرِ پیکار رہے گی۔ جو اپنے مخالفین کی پرواہ نہ کرے گی۔

امام مہدی

اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی ہوں گے۔ جو نیک سیرت ہوں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (اور اولاد) میں سے ہوں گے۔ اور انہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ جو آیتِ قرآنیہ

وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ" کی رُو سے قربِ قیامت کی ایک علامت ہے۔ مسلمانوں کا ایک لشکر جو اللہ کی پسندیدہ جماعت پر مشتمل ہوگا، ہندوستان پر جہاد کرے گا۔ (اور فتح یاب ہو کر اس کے حکمرانوں کو طوق وسلاسل میں جکڑ لائے گا۔) جب یہ لشکر واپس ہوگا تو شام میں عیسیٰ بن مریم کو پائے گا۔

خروج دجال سے پہلے کے واقعات

رومی اعماق یا دابق کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ اُن سے جہاد کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ ہوگا۔ جو اُس زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوں گے تو رومی اپنے قیدی واپس مانگیں گے اور مسلمان انکار کریں گے اس پر جنگ ہوگی۔ جنگ میں ایک تہائی مسلمان فرار ہو جائیں گے جنکی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا۔ ایک تہائی شہید ہو جائیں گے جو افضل الشہداء ہوں گے۔

اور باقی ایک تہائی مسلمان فتح یاب ہوں گے جو آئندہ ہر قسم کے فتنے سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے۔ پھر یہ لوگ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ جب وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہوں گے تو خروجِ دجال کی جھوٹی خبر مشہور ہو جائے گی جسے سُنتے ہی یہ لشکر وہاں سے روانہ ہو جائے گا۔

خروجِ دجّال

اور (جب یہ لوگ شام کو پہنچیں گے تو) دجال واقعی نکل آئے گا۔ اس سے پہلے تین بار ایسا واقعہ پیش آچکا ہوگا کہ لوگ گھبرا اٹھیں گے۔ خروجِ دجال کے وقت اچھے لوگ کم ہوں گے، باہمی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی، دین میں کمزوری آچکی ہوگی، اور علم رخصت ہو رہا ہوگا۔ عرب اس زمانہ میں کم ہوں گے۔ دجال کے اکثر پیرو عورتیں اور یہودی ہوں گے۔ یہودیوں کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ جو مرصع تلواروں سے مسلح ہوں گے۔ اور ان پر بیش قیمت دبیز کپڑے "ساج" کا لباس ہوگا۔ دجال شام وعراق کے درمیان نکلے گا۔ اور اصفہان کے ایک مقام "یہودیہ" میں نمودار ہوگا۔

دجّال کا حُلیہ

دجّال جوان ہوگا (اور عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا)۔ (رنگ گندمی اور) بال پیچ دار ہوں گے (دونوں) آنکھیں عیب دار ہوں گی۔ ایک (بائیں) آنکھ سے کانا ہوگا۔ دوسری (دائیں) آنکھ میں موٹی پھلی ہوگی پیشانی پر کافر (اس طرح لکھا ہوگا (ک، ف، ر) جسے ہر مومن پڑھ سکے گا خواہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ وہ ایک گدھے پر سواری کرے گا جس کے دو کانوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ دجال کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی۔ تیزی سے پوری دنیا میں پھر جائے گا۔ (جیسے زمین اس کے واسطے لپیٹ دی گئی ہو۔) اور ہر

طرف فساد پھیلائے گا۔ مگر (مکہ معظمہ و) مدینۂ طیبہ (اور بیت المقدس) میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس زمانہ میں مدینۂ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے۔ اور (مکہ معظمہ و) مدینۂ طیبہ کے ہر راستے پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا جو اسے اندر گھسنے نہ دیں گے۔ لہٰذا وہ مدینہ کے باہر (ظریب احمر میں کھاری زمین کے ختم پر اور خندق کے درمیان ٹھہرے گا۔ اور بیرون مدینہ پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ اس وقت مدینۂ طیبہ میں (تین) زلزلے آئیں گے۔ جو ہر منافق مرد و عورت کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے۔ یہ سب منافقین دجال سے جا ملیں گے۔ عورتیں دجال کی پیروی سب سے پہلے کریں گی۔ غرض مدینۂ طیبہ ان سے بالکل پاک ہو جائے گا اس لئے اس دن کو یوم نجات کہا جائے گا۔ جب لوگ اسے پریشان کریں گے تو وہ غصّہ کی حالت میں واپس ہوگا۔

فتنۂ دجّال

فتنۂ دجال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخ انسانی میں اس سے بڑا فتنہ نہ کبھی ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ اسی لئے تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔ مگر اس کی جتنی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں کسی اور نبی نے نہیں بتلائیں۔

وہ پہلے نبوّت کا اور اس کے بعد خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔ زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو وہ باہر نکل کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔ مادر زاد اندھے اور ابرص کو تندرست کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شیاطین بھیجے گا جو لوگوں سے باتیں کریں گے۔ چنانچہ وہ کسی دیہاتی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو مجھے تو اپنا رب مان لے گا؟ دیہاتی وعدہ کر لیگا تو اس کے سامنے دو شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں آکر کہیں گے کہ بیٹا تو اس کی اطاعت کر یہ تیرا رب ہے۔ نیز دجال کے ساتھ دو فرشتے دو نبیوں کے ہم شکل ہوں گے جو اس کی تکذیب لوگوں کی آزمائش کے لئے اس طرح کریں گے کہ سننے والوں کو تصدیق کرتے ہوئے معلوم ہوں گے۔ جو شخص اس کی تصدیق کرے گا (کافر ہو جائے گا اور) اس کے پچھلے تمام نیک اعمال باطل و بیکار ہو جائیں گے اور جو اس کی تکذیب کرے گا اس کے سب گناہ معاف ہوں گے۔ اس کا ایک عظیم فتنہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس کی بات مان لیں گے ان کی زمینوں میں دجال کے کہنے پر بادلوں سے بارش ہوتی نظر آئے گی اور اسی کے کہنے پر ان کی زمین نباتات اگائے گی۔ ان کے مویشی خوب فربہ ہو جائیں گے، اور مویشیوں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ اور جو لوگ اس کی بات نہ مانیں گے ان میں قحط پڑے گا اور ان کے سارے مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ غرض اس کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب لوگ

اس وقت مشقت میں ہوں گے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اُسے قتل کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ (نہروں اور وادیوں کی صورت میں) اُس کے ساتھ ایک جنت ہوگی اور ایک آگ لیکن

حقیقت میں جنت آگ ہوگی اور آگ جنت۔ جو شخص اس کی آگ میں گرے گا اس کا اجر و ثواب یقینی اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو شخص دجال پر سورۂ کہف کی ابتدائی (دس) آیات پڑھے گا وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر دجال اُسے اپنی آگ میں بھی ڈال دے تو وہ اس پر ٹھنڈی ہو جائے گی۔ دجال تلوار (یا آرے) سے ایک (مؤمن) نوجوان کے دو ٹکڑے کر کے الگ الگ ڈال دے گا پھر اس کو آواز دے گا تو (اللہ کے حکم سے) وہ زندہ ہو جائے گا۔ اور دجال اس سے پوچھے گا بتا تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا "میرا رب اللہ ہے" اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے، مجھے آج پہلے سے زیادہ تیرے دجال ہونے کا یقین ہے۔ دجال کو اس شخص کے علاوہ کسی اور کے مارنے اور زندہ کرنے پر قدرت نہ دی جائے گی۔ اس کا فتنہ چالیس روز تک رہے گا جن میں سے ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ باقی ایام حسب معمول ہوں گے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے تین شہر ایسے ہوں گے کہ ان میں سے ایک تو دو سمندروں کے سنگم پر ہوگا دوسرا "حیرہ" (عراق) کے مقام پر اور تیسرا شام میں، وہ مشرق کے لوگوں کو شکست دے گا۔ اور اس شہر میں سب سے پہلے آئے گا جو سمندروں کے سنگم پر ہے۔ (شہر کے لوگ تین گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ (وہیں رہ جائے گا اور) دجال کی پیروی کرے گا۔ اور ایک دیہات میں چلا جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنے قریب والے شہر میں منتقل ہو جائے گا۔ پھر دجال اس قریب والے شہر میں آئے گا اس میں بھی لوگوں کے اسی طرح تین گروہ ہو جائیں گے اور تیسرا گروہ اس قریب والے شہر میں منتقل ہو جائے گا جو شام کے مغربی حصہ میں ہوگا۔ یہاں تک کہ مؤمنین اُردن و بیت المقدس میں جمع ہو جائیں گے۔ اور دجال شام میں (فلسطین کے ایک شہر تک) پہنچ جائے گا (جو باب لُد پر واقع ہوگا)۔ اور مسلمان "افیق" نامی گھاٹی کی طرف سمٹ جائیں گے، یہاں سے وہ اپنے مویشی چرنے کے لئے بھیجیں گے جو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ بالآخر مسلمان (بیت المقدس کے) ایک پہاڑ پر محصور ہو جائیں گے جس کا نام "جبل الدخان" ہے۔ اور دجال پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈال کر مسلمانوں (کی ایک جماعت) کا محاصرہ کر لیگا۔ یہ محاصرہ سخت ہوگا۔ جس کے باعث مسلمان سخت مشقت (اور فقر و فاقہ) میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اپنی کمان کی تانت جلا کر کھائیں گے۔ دجال آخری بار اردن کے علاقہ میں "افیق" نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا اس وقت جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا وادیٔ اردن میں موجود ہوگا، وہ ایک تہائی مسلمانوں کو قتل

کر دے گا، ایک تہائی کو شکست دے گا، اور صرف ایک تہائی مسلمان باقی بچیں گے۔ (جب محاصرہ طول کھینچے گا تو مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا کہ (اب کس کا انتظار ہے) اس سرکش سے جنگ کرو، (تاکہ شہادت یا فتح میں سے ایک چیز تم کو حاصل ہو جائے) چنانچہ سب لوگ پختہ عہد کریں گے کہ صبح ہوتے ہی (نماز فجر کے بعد) دجال سے جنگ کریں گے

نزول عیسیٰ علیہ السلام

وہ رات سخت تاریک ہوگی۔ اور لوگ جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے کہ صبح کی تاریکی میں اچانک کسی کی آواز سنائی دے گی (کہ تمہارا فریاد رس آپہنچا) لوگ تعجب سے کہیں گے "یہ تو کسی شکم سیر کی آواز ہے" غرض نماز فجر کے وقت) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں گے۔ نزول کے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

آپ مشہور صحابی عروہ بن مسعودؓ کے مشابہ ہوں گے۔ قد و قامت درمیانہ، رنگ سرخ و سفید، اور بال شانوں تک پھیلے ہوئے) سیدھے، صاف اور چمکدار ہوں گے، جیسے غسل کے بعد ہوتے ہیں۔ سر جھکائیں گے تو اس سے موتیوں کی مانند قطرے ٹپکیں گے۔ (یا ٹپکتے ہوئے معلوم ہوں گے) جسم پر ایک زرہ اور ہلکے رنگ کے دو کپڑے ہوں گے جس جماعت میں آپ کا نزول ہوگا وہ اس زمانہ کے صالح ترین آٹھ سو مرد اور چار سو عورتوں پر مشتمل ہوگی۔ ان کے استفسار پر آپ اپنا تعارف کرائیں گے۔ اور دجال سے جہاد کے بارے میں ان کے جذبات و خیالات معلوم فرمائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کی امیر امام مہدی ہوں گے۔ جن کا ظہور نزول عیسیٰ سے کافی پہلے ہو چکا ہوگا

مقام نزول، وقت نزول اور امام مہدی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے کے پاس (یا بیت المقدس میں امام مہدی کے پاس) ہوگا۔ اس وقت امام مہدی نماز فجر پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ اور نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی۔ امام (مہدی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز کی امامت کے لئے بلائیں گے مگر وہ انکار کرینگے۔ اور فرمائیں گے کہ (یہ اس امت کا اعزاز ہے کہ) اس کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں۔

جب امام مہدی پیچھے ہٹنے لگیں گے تو آپ (ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر) فرمائیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس نماز کی اقامت تمہارے لئے ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس وقت کی نماز امام مہدی پڑھائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پیچھے پڑھیں گے۔ اور رکوع سے اٹھ کر "سمع اللہ لمن حمدہ"

کے بعد یہ جملہ فرمائیں گے "قتل اللہ الدجال واظہر المؤمنین"

دجال سے جنگ

غرض نماز فجر سے فارغ ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دروازہ کھلوائیں گے جس کے پیچھے دجال ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ستر ہزار مسلح یہودی ہوں گے۔ آپ ہاتھ کے اشارہ سے فرمائیں گے کہ میرے اور دجال کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے (یا جیسے رانگ اور چربی پگھلتی ہے)۔ اس وقت جس کافر پر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے گی، مرجائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی وہیں تک سانس پہنچے گا۔ مسلمان پہاڑ سے اُتر کر دجال کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہودیوں پر ایسا رعب چھاجائے گا کہ ڈیل ڈول والا یہودی تلوار تک اُٹھا سکے گا۔ غرض جنگ ہوگی اور دجال بھاگ کھڑا ہوگا۔

قتل دجال اور مسلمانوں کی فتح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ میری ایک ضرب تیرے لئے مقدر ہوچکی ہے۔ جس سے تو بچ نہیں سکتا۔ اس وقت آپ کے پاس (دو نرم تلواریں اور) ایک حربہ ہوگا۔ جس سے آپ دجال کو (باب لُدّ پر) قتل کردیں گے۔ پاس ہی "افیق نامی گھاٹی" ہوگی۔ حربہ اس کے سینے کے بیچوں بیچ لگے گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اس کا خون جو آپ کے حربہ پر لگ گیا ہوگا مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ بالآخر دجال کے ساتھیوں (یہودیوں) کو شکست ہوجائے گی اور اُن کو مسلمان (چُن چُن کر) قتل کردیں گے۔ کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی۔ حتیٰ کہ درخت اور پتھر بول اُٹھیں گے کہ یہ (ہمارے پیچھے) کافر (یہودی چھپا ہوا ہے آکر اسے قتل کردو)۔ باقی ماندہ تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام (اور مسلمان) خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب توڑیں گے)۔ پھر آپ کی خدمت میں اطراف واکناف کے لوگ جو دجال (کے دھوکہ فریب) سے بچے رہے ہوں گے حاضر ہوں گے اور آپ ان کو جنت میں عظیم درجات کی خوش خبری دے کر دلاسا و تسلی دیں گے۔ پھر لوگ اپنے اپنے وطن واپس ہوجائیں گے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت وصحبت میں رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام فج الروحا میں تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے حج یا عمرہ (یا دونوں) کریں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جاکر سلام عرض کریں گے اور آپ ان کے سلام کا جواب دیں گے۔

یاجوج ماجوج

لوگ امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے کہ یاجوج ماجوج کی دیوار ٹوٹ جائے گی۔ اور یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ وہ مسلمانوں کو طور کی طرف جمع کر لیں۔ کیونکہ یاجوج ماجوج کا مقابلہ کسی کے بس میں نہ ہو گا۔ یاجوج ماجوج اتنی بڑی تعداد میں تیزی سے نکلیں گے کہ ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔ وہ شہروں کو روند ڈالیں گے۔ زمین میں (جہاں پہنچیں گے) تباہی مچا دیں گے۔ اور جس پانی پر گذریں گے اسے پی کر ختم کر دیں گے۔ ان کی ابتدائی جماعت جب بحیرہ (طبریہ) پر گذرے گی تو اس کا پورا پانی پی جائے گی اور جب ان کی آخری جماعت وہاں سے گذرے گی تو اسے دیکھ کر کہے گی "یہاں کبھی پانی (کا اثر تھا)" بالآخر یاجوج ماجوج کہیں گے کہ اہل زمین پر تو ہم غلبہ پا چکے، آؤ اب آسمان والوں سے جنگ کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اس وقت محصور ہوں گے جہاں غذا کی سخت قلت کے باعث لوگوں کو ایک بیل کا سر سو دینار سے بہتر معلوم ہو گا۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

لوگوں کی شکایت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لئے بددعا فرمائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں (اور کانوں) میں ایک کیڑا (اور حلق میں ایک پھوڑا) نکال دے گا۔ جس سے سب کے جسم پھٹ جائیں گے اور وہ سب (دفعتہً) ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین پر اتریں گے، مگر پوری زمین یاجوج ماجوج کی لاشوں کی (چکناہٹ اور) بدبو سے بھری ہو گی۔ جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو گی۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دعا کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ (ایک ہوا اور) لمبی گردنوں والے (بڑے بڑے) پرندے بھیج دے گا جو اُن کی لاشیں اُٹھا کر (سمندر میں اور) جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جو زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح صاف کر دے گی۔ اور زمین اپنی اصلی حالت پر ثمرات وبرکات سے بھر جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات

دُنیا میں آپ کا نزول (وقیام) امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے ہو گا۔ اور اس امت میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔ چنانچہ آپ قرآن وحدیث (اور اسلامی شریعت) پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے۔ اور (نمازوں میں) لوگوں کی امامت کریں گے۔ آپ کا نزول اس امت کے آخری دور میں ہو گا۔ اور نزول کے بعد دنیا میں چالیس سال قیام کریں گے۔ اسلام کے دور اول کے بعد یہ اس امت کا بہترین

دور ہو گا۔ آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو لوگ اپنا دین بچانے کے لئے آپ سے جا ملیں گے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں گے۔ اس زمانہ میں اسلام کے سوا دنیا کے تمام ادیان و مذاہب مٹ جائیں گے اور دُنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہے گا۔ جہاد موقوف ہو جائے گا۔ اور نہ خراج وصُول کیا جائے گا نہ جزیہ مال و زر لوگوں میں اتنا عام ہو جائے گا کہ مال کوئی قبول نہ کرے گا۔ زکوٰۃ و صدقات کا لینا ترک کر دیا جائے گا۔ اور لوگ ایک سجدہ کو دُنیا و ما فیہا سے زیادہ پسند کریں گے۔ اور ہر قسم کی دینی اور دُنیوی برکات نازل ہوں گی۔ پوری دنیا امن و امان سے بھر جائے گی۔ سات سال تک کسی بھی دو کے درمیان عداوت نہ پائی جائے گی۔ سب کے دلوں سے (بخل) وکینہ اور بغض وحسد نکل جائے گا۔ چالیس سال تک کوئی مرے گا نہ بیمار ہو گا۔ ہر زہریلے جانور کا زہر نکال لیا جائے گا۔ سانپ (اور بچھو) بھی کسی کو ایذا نہ دیں گے۔ بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے۔ یہاں تک کہ بچہ اگر سانپ کے منہ میں بھی ہاتھ دے گا تو وہ گزند نہ پہنچائے گا۔ درندے بھی کسی کو کچھ نہ کہیں گے۔ آدمی شیر کے پاس سے گذرے گا تو شیر نقصان نہ پہنچائے گا۔ حتیٰ کہ کوئی لڑکی شیر کے دانت کھول کر دیکھے گی تو وہ اسے کچھ نہیں کہے گا۔ اونٹ شیروں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے۔ بھیڑیا بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کُتا ریوڑ کی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔ زمین کی پیداواری صلاحیت اتنی بڑھ جائے گی کہ بیج ٹھوس پتھر میں بھی بویا جائے گا تو اُگ آئے گا۔ ہل چلائے بغیر بھی ایک مُد سے سات سو مُد گندم پیدا ہو گا۔ ایک انار اتنا بڑا ہو گا کہ اسے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے کے نیچے لوگ سایہ حاصل کریں گے۔ دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو، ایک گائے پورے قبیلہ کو اور ایک بکری پُوری برادری کو کافی ہو گی۔ غرض نزول عیسیٰ ؑ کے بعد زندگی بہت خوش گوار ہو گی۔

عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور اولاد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نزول کے بعد) دُنیا میں نکاح فرمائیں گے۔ اور آپ کے اولاد بھی ہو گی (نکاح کے بعد) دُنیا میں آپ کا قیام ۱۹ سال رہے گا۔

آپ کی وفات اور جانشین

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی۔ اور مسلمان نماز جنازہ پڑھ (کر آپ کو دفن کر) دینگے۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبیلہ بنی تمیم کے ایک شخص کو جس کا نام مُقعَد ہو گا، خلیفہ مقرر کریں گے۔ پھر مُقعَد کا بھی انتقال ہو جائے گا۔

متفرق علاماتِ قیامت

اور آپ کے بعد اگر کسی کی گھوڑی بچہ دے گی تو قیامت تک اس پر سواری کی نوبت نہیں آئے گی زمین میں دھنس جانے کے تین واقعات ہوں گے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں۔

دھواں

ایک خاص دھواں ظاہر ہوگا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ اس سے مومنین کو تو زکام سا محسوس ہوگا مگر کفار کے سر ایسے ہو جائیں گے جیسے انھیں آگ پر بھون دیا گیا ہو۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع

قیامت کی ایک علامت یہ ہوگی کہ ایک روز آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا جسے دیکھتے ہی سب کافر ایمان لے آئیں گے۔ مگر اس وقت ان کا ایمان قبول نہ کیا جائے گا۔ اور گنہگار مسلمانوں کی توبہ بھی اس وقت قبول نہ ہوگی۔

دابۃ الارض اور ایک جانور زمین سے نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کریگا۔

یمن کی آگ

پھر ایک آگ یمن (عدن کی گہرائی) سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر (شام) کی طرف ہانک کرلے جائے گی اور سب مومنین کو ملک شام میں جمع کر دے گی مقصد کی موت کے بعد تیس سال گذرنے نہ پائیں گے کہ قرآن لوگوں کے سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا۔ پہاڑ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں گے اس کے بعد قبض ارواح ہوگا۔

مومنین کی موت اور قیامت

ایک (خوشگوار) ہوا آئے گی جو تمام مومنین کی روحیں قبض کرلے گی اور کوئی مومن دنیا میں باقی نہ بچے گا۔ پھر دنیا میں صرف بدترین لوگ رہیں گے۔ اور گدھوں کی طرح جماع کیا کریں گے۔ پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی۔ اس کے بعد قیامت کا حال پورے دنوں کی اس گابھن کی طرح ہوگا جس کے مالک رات دن اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ جن دے۔ بالآخر انہی بدترین لوگوں پر قیامت آجائے گی۔

قیامت کس طرح آئے گی اس کی ہولناک تفصیلات قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں مختلف عنوانات کے ساتھ بہت کثرت سے بیان کی گئی ہیں مگر حصہ دوم کی احادیث میں وہ تفصیلات نہیں ہیں اس لئے ہم اس فہرست کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ **

مرتد کے احکام

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، ایم اے۔ پی ایچ ڈی

حدیث میں مرتد کی سزا

ارتداد سے مرتد (مرد) کا خون حلال ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث "من بدل دینہ فاقتلوہ" سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے دین (اسلام) کو بدلا، اس کو قتل کر دو۔ یہ حدیث حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور متعدد دیگر صحابہ سے مروی ہے اور تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔ مزید احادیث ذیل میں ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کے پاس زندیق لائے گئے، آپ نے ان کو جلا کر مار ڈالا۔ جب اسکی خبر حضرت ابن عباس کو پہنچی تو آپ نے کہا: "اگر میں ہوتا تو رسول اللہ کی ممانعت کے سبب ان کو جلا کر نہ مارتا کہ لوگوں کو اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو۔ البتہ میں ان کو قتل کر دیتا، رسول اللہ کے فرمان کے بموجب کہ جس نے اپنا دین بدلا، پس تم اس کو قتل کر دو۔"

(۲) ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (ابو موسیٰ اشعری کو) یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ پھر اس کے بعد معاذ بن جبلؓ کو ان کے معاون کی حیثیت سے روانہ کیا۔ جب معاذ وہاں پہنچے تو انھوں نے اعلان کیا کہ لوگو! میں تمھاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کے لئے تکیہ رکھا تاکہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں اتنے میں ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا پھر یہودی ہو گیا۔ معاذؓ نے کہا، میں ہرگز نہ بیٹھوں گا

جب تک کہ یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے اللہ اور رسول کا یہی فیصلہ ہے۔ معاذؓ نے یہی بات تین دفعہ کہی۔ آخر کار جب وہ قتل کر دیا گیا تو معاذ بیٹھ گئے۔

واضح ہے کہ معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تقرری آنحضرت کے حکم سے عمل میں آئی تھی اور یہ واقعہ آپ کے زمانہ مبارک میں پیش آیا۔ مرتد کی سزائے قتل کا اس سے زیادہ مصدقہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کا ہے یہ دونوں اصحاب رسول اللہ کی طرف سے یمن کی گورنری و نائب گورنری کے عہدوں پر مقرر تھے۔ اگر موسیٰؓ و معاذؓ کا یہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم و منشا کے خلاف ہوتا تو یقیناً ان سے باز پرس ہوتی اور تنبیہ کی جاتی۔

(۳) حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے مروی ہے کہ آں حضرت نے فرمایا کسی مسلمان مرد کا خون حلال نہیں جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کسی مسلم مرد کا خون حلال نہیں مگر تین افراد کا۔ ایک وہ جس نے اسلام کو ترک کر دیا ہو، دوسرے شادی شدہ زانی اور تیسرے قتل کے بدلے قتل۔ (قصاص)۔

(۴) حضرت عثمانؓ بن عفان سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ کسی مسلمان مرد کا خون حلال نہیں مگر یہ کہ وہ تین افراد میں سے ایک ہو:-

(الف) وہ جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کیا ہو،

(ب) وہ مرد جس نے کسی دوسرے کا ناحق خون کیا ہو۔

(ج) جو مرد کہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔

(۵) حضرت عثمان ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین جُرموں کی پاداش میں ایک یہ کہ اس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو جس کی سزا سنگساری کے ذریعہ مار ڈالنا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی نے عمداً قتل کا ارتکاب کیا ہو اس پر قصاص ہے، تیسرے یہ کہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو، اس کی سزا قتل ہے۔

تاریخ کی مستند کتابوں میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل ناحق پر آمادہ ہوئے اور آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ حدیث پڑھی اور باغیوں کو قتل سے باز رکھنا چاہا۔

(۶) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا جائز ہو گیا یعنی اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۷) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کاتب وحی تھا۔ شیطان نے اسے گمراہ کر دیا۔ پس وہ کافروں سے جاملا لہذا رسول اللہ نے فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ وہ (جہاں کہیں ملے) قتل کر دیا جائے۔

(۸) حضرت سعد سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن السرح حضرت عثمان بن عفان کے پاس جا کر چھپ رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ اس کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو حضورؐ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ عبداللہ سے بیعت لے لیجئے۔ حضورؐ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا اور عبداللہ کی طرف دیکھا تین مرتبہ اور ہر مرتبہ آپؐ عبداللہ سے بیعت لینے میں رکے۔ اور توقف فرمایا پھر تیسری مرتبہ کے بعد آپؐ نے اس سے بیعت لے لی۔ پھر آپؐ نے اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی دانشمند آدمی نہ تھا کہ جب وہ میری طرف دیکھ رہا تھا اور میں نے اس کی بیعت لینے سے اپنے ہاتھ کو روک رکھا تھا تو وہ اس عبداللہ کو قتل کر دیتا۔

(۹) حضرت جریر سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کوئی غلام شرک کی طرف راہ فرار اختیار کرے تو اس کا خون حلال ہو جاتا ہے۔ (یہی حکم آزاد مسلمان مرد کا بھی ہو گا)۔

(۱۰) حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا دین (اسلام) بدلا اس کی گردن مار دو۔ (۱۱) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان مرد کا ——— خون حلال نہیں مگر اس مرد کا جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو یا اسلام لانے کے بعد کفر (انکار) اختیار کیا ہو یا جان کے بدلے جان یعنی کسی کی جان لی ہو۔

مرتد کی سزا از روئے حدیث کے تحت (۱) لغایت (۱۱) احادیث کی عربی عبارتیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) حدثنا محمد بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عکرمہ، قال:- اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس فقال: لوکنت انا، لم احرقھم، لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لا تعذبوا بعذاب اللہ و لقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ (بخاری، ج ۲، ص ۱۰۲۳، مطبوعہ کراچی)، و (ترمذی مطبوعہ اصح المطابع، ص ۲۳۰، کتاب الحدود، مع تقدیم و تاخیر)

لغیر) و (ابن ماجہ ص ۱۸۲ مختصراً) و (ابوداؤد، جلد ۲، ص ۵۹۸)

(۲) قال حدثنا ابوبردة عن ابی موسیٰ قال: اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعی رجلان من الاشعریین احدھما عن یمینی والاخر عن یساری ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فکلاھما سال، فقال: یا ابا موسیٰ اوقال یا عبد اللہ بن قیس، قال قلت والذی بعثک بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسھما وما شعرت انھما یطلبان العمل، فکانی انظر الی سواکہ تحت شفتہ قلصت، فقال، لن اولا نستعمل علی عملنا من ارادہ ولکن اذھب انت یا ابا موسی اویا عبداللہ بن قیس الی الیمن، ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القی لہ وسادة، قال، انزل واذا رجل عندہ موثق، قال ما ھذا، قال کان یہود یا فاسلم، ثم تہود قال: اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ، ثلث مرات فامر بہ فقتل۔ (بخاری کتاب الدیات، جلد ۲، ص ۱۰۲۳، مطبوعہ اصح المطابع کراچی) ۔ و مسلم جلد ۲، باب الامارة، ص ۸-۲۰۷، مطبوعہ مصر، ۱۹۲۴ء، و ابوداؤد ج ۲، ص ۵۹۹، و نسائی ج ۲، ص ۱۵۰، نسائی باب حکم المرتد، بخاری باب حکم المرتدة، و استتابتھم ابوداؤد کتاب الحدود، باب الحکم فی من ارتد۔

(۳) حدثنا احمد بن حنبل ومحمد بن المثنی، واللفظ لاحمد، قالا حدثنا عبدالرحمن بن مھدی، عن سفیان عن الاعمش عن عبداللہ بن مرة عن مسروق عن عبد اللہ، قال، قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: والذی لا الہ غیرہ، لا یحل دم رجل مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا ثلاثة نفر، التارک الاسلام المفارق للجماعة او الجماعة "شک فیہ احمد" والثیب الزانی، والنفس بالنفس۔ صحیح المسلم، کتاب القسامة ———————— و ترمذی، باب الدیات، ص ۲۲۱ مطبوعہ اصح المطابع ۔ و ابن ماجہ، ص ۱۸۲، کتاب الحدود بخاری کتاب الدیات ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد۔

(۴) عن عکرمة عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جحد آیة من القرآن فقد حل ضرب عنقہ، الحدیث ابن ماجہ، ابواب الحدود،

ص ۱۸۲ و ابوداود، کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد۔

(۷) عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کان عبداللہ بن سعد بن ابی السرح یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلہ الشیطان فلحق بالکفار فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ——————— ان یقتل یوم الفتح، الحدیث۔

(۸) عن مصعب بن سعد عن سعد، قال لما کان یوم فتح مکہ اختبأ عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح عند عثمان بن عفان، فجاء بہ حتی اوقفہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال یا رسول اللہ بایع عبد اللہ، فرفع راسہ فنظر الیہ ثلاثا کل ذلک یابی فبایعہ بعد ثلاث، ثم اقبل علی اصحابہ فقال اما کان فیکم رجل رشید یقوم الی ھذا حین رانی لففت یدي عن بیعتہ فیقتلہ، الحدیث۔ ابوداؤد، جلد ۲، ص ۵۹۹ کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد۔

(۹) عن الشعبی عن جریر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یقول اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمہ۔ ابوداؤد، جلد ۲، ص ۵۹۹۔

(۱۰) حدثنا یحی، عن مالک عن زید بن اسلم: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال من غیر دینہ فاضربوا عنقہ موطا امام مالک مع شرح زرقانی، جلد ۴، ص ۱۴ مطبوعہ مصر، ۱۹۶۲ء (۱۳۸۲ھ)

(۱۱) عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل دم امرئ مسلم الا رجل زنی بعد احصانہ او کفر بعد اسلامہ او النفس بالنفس۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

مجالس حکیم الامت

چھینک لینا اور اس کا جواب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو سُننے والوں پر مثل سلام کے یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اس لئے اس میں کلام ہے کہ چھینکنے والے کو الحمد للہ باآواز بلند کہنا بہتر ہے تاکہ لوگ یرحمک اللہ کہہ کر جواب دیں اور اُن کو بھی ثواب ملے۔ اس کے لئے بھی دعا ہو۔ علامہ شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جس جگہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم نے باآواز بلند الحمد للہ کہا تو اُن کو جواب دینے میں تکلیف ہوگی۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ بلند آواز سے الحمد للہ نہ کہے۔

باطنی امور میں تفقہ صُوفیہ کا حصہ ہے جس طرح احکام ظاہرہ میں اجتہاد اور تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح احکامِ باطنہ میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ احکام ظاہرہ کے ائمہ اجتہاد معروف ائمہ مجتہدین اور فقہاء ہیں اور امور باطنہ کے فقہاء صُوفیہ ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو مسئلہ احکام ظاہرہ سے متعلق ہو اور اس میں فقہاء و صوفیہ میں اختلاف ہو جائے تو میں فقہاء کی تحقیق کو ترجیح دیتا ہوں۔ لیکن مسئلہ اگر امور باطنہ سے متعلق ہے تو میں اس میں صوفیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں۔ کیونکہ ان امور میں ان کا تفقہ زیادہ قابلِ اطمینان ہے۔

(احقر جامع کہتا ہے) کہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ اور بیشتر ائمہ

فقہاء و مجتہدین صرف ظاہر ہی کے امام نہیں بلکہ تصوّف و سلوک اور امور باطنہ کے بھی امام ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کا یہ ارشاد عام علماء ظاہر کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو امور باطنہ کے ماہر نہیں۔ واللہ اعلم۔

عام حیوانوں اور انسان میں فرق کی ایک خاص وجہ

ارشاد فرمایا کہ جتنے حیوانات دُنیا میں ہیں ان کے افراد میں قوتِ استعداد کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے۔ ایک فرد اتنا قوی ہوتا ہے کہ دو کا کام کرلے بعض اس سے بھی زیادہ چار چھ یا آٹھ دس فرد کا کام اکیلا پورا کرلے۔ ایک گھوڑا چار گھوڑوں کا کام کرلے۔ یا ایک گدھا چار گدھوں کا بوجھ اُٹھالے۔ اسی طرح تمام حیوانات کے افراد میں تفاوت اور تفاضل ہر شخص جانتا ہے۔ مگر یہ تفاوت اور تفاضل نوع انسانی میں تمام انواع سے اتنا زیادہ ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ ایک انسان سو آدمیوں کا اور دوسرا ایک انسان ہزار بلکہ لاکھ آدمیوں کا کام اکیلا انجام دے سکتا ہے۔ حدیث میں یہ قصّہ معروف ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورے عالم کا موازنہ کیا تو آپ کی ذات سب پر بھاری رہی اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ایک فرد سارے عالم کی برابر یا اُس سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت انسان ایک نوع نہیں بلکہ جنس ہے اور نوع انسان کے افراد جن کو حکماء افراد کہتے ہیں، درحقیقت افراد نہیں گویا انسان کا ہر فرد ایک مستقل نوع ہے مگر منحصر فی فرد واحد یعنی ایسی نوع ہے کہ اس کا فرد صرف ایک ہی ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی ایک وصیت

ارشاد فرمایا کہ جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں تو تم رطب و یابس سب اُس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ۔ اور اس کی ایک مثال حضرت حاجی صاحبؒ بیان ایک شخص نے نئی شادی کی تھی، داڑھی میں کچھ بال سفید آگئے تھے۔ حجام کے پاس جاکر کہا کہ داڑھی میں سے سفید بال چھانٹ کر کاٹ دو۔ حجام نے پوری داڑھی مونڈ کر سامنے رکھ دی کہ آپ خود چھانٹ لیں، مجھے اتنی فرصت نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے۔ کچھ مدّت ہوئی کہ میں ـــــ قصبہ کی جامع مسجد میں ہفتہ وار وعظ کہا کرتا تھا۔ جس میں شادی غمی کی مروّجہ رسموں کی اصلاح پر زیادہ زور دیا لوگوں میں کچھ خلاف کا چرچا ہوا۔ میرے کانوں تک بھی الفاظ پہنچے۔ میں نے رمضان مبارک کے آخری جمعہ میں وعظ کے ختم پر لوگوں کو ٹھہرا کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں محض آپ لوگوں کے نفع کے لئے ہوتا ہے۔ دینی نفع تو معاصی سے بچنا اور دنیوی نفع اسراف سے اور اس سے پیدا ہونے والی مصائب سے بچانا ہے اور وعظ کہنا میرا کوئی پیشہ

نہیں۔ اگر آپ لوگ اپنے نفع کو نہیں چاہتے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ وعظ آخری ہے اس کے بعد کسی کو انشاء اللہ میری طرف سے ناگواری پیش نہ آئے گی۔ بہت سے لوگ رونے لگے اور پاؤں میں پڑنے لگے۔ کہ ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ کچھ بے وقوف لوگوں نے کوئی بات کہی تو ہم پر اس کی سزا کیوں جاری ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ بے شک آپ کا قصور نہیں۔ آپ اپنے گھر بلا کر وعظ کہلوائیے میں کہوں گا۔ چنانچہ بستی میں گھر گھر بہت وعظ ہوئے۔ اور گھروں کے اندر یہ وعظ زیادہ مفید ثابت ہوئے۔ کیونکہ ان رسوم کی پابندی کا بڑا سبب عورتیں ہوتی ہیں۔ گھروں میں یہ وعظ زیادہ عورتوں نے سُنے۔ اور میرا اصل مقصد حاصل ہو گیا۔

اور فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ بستی کے لوگ خلاف نہیں کرتے۔ اس لئے اب تھانہ بھون میں رسوم قریب قریب معدوم ہو گئیں۔

حضرتؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی وصیت اور اپنے مذکورالصدر معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا جو جامع صغیر میں رزین سے مرفوعاً بیان کی گئی ہے کہ :

نعم الرجل الفقیه إنْ أُحتیج الیه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه

بہت اچھا وہ مرد فقیہ ہے کہ اگر لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو اُن کو نفع پہنچائے اور اگر لوگ اس سے استغنا برتیں تو یہ بھی اُن سے استغنا کا معاملہ کرے۔

اور فرمایا کہ اسی لئے میں نے آج کل دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ مجھے جھگڑوں اور سوال جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت اپنے بزرگوں کے طفیل سے میرا تو یہ مسلک ہے ؎

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد • کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

ارشاد فرمایا کہ فقہ میں بطور جریان عادت اب اجتہاد ختم ہو گیا۔ اور ضرورت بھی باقی نہیں رہی لیکن طب اور معالجات جسمانی ہوں یا روحانی دونوں میں اجتہاد کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جو مجتہد نہ ہو اُس کو علاج بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک آیت کی تفسیر اور شبہ کا ازالہ آیت اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون۔ اس میں دو چیزیں ہیں ایک ہدایت دوسرے فلاح کو بطور جزا کے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان سے پہلے ایمان بالغیب اور ایمان بالرسل کے اوصاف مذکور ہیں پھر اس ایمان کی جزا کے طور پر اس میں ہدایت و فلاح کو بیان فرمایا گیا ہے۔ انہیں فلاح کا جزاء عمل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کہ فلاح کے معنی کامیابی اور مُراد پُوری ہونے کے ہیں لیکن

ہدایت تو راستہ دکھانے کو کہا جاتا ہے کسی چیز کا راستہ دیکھ لینا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ وہ جزائے عمل بن سکتا ہے اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ ایک واقعہ نے جو میرے ساتھ پیش آیا اس شبہ کا جواب بہت واضح کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک صاحب میرٹھ جانے والی گاڑی میں سوار ہونا چاہتے تھے۔ اور غلطی سے رڑکی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی چلنے کے بعد احساس ہوا۔ میں بھی رڑکی اسی گاڑی سے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ سخت بے چین اور میں اپنی جگہ مطمئن بیٹھا ہوں۔ میں اُس کو تسلی بھی دینا چاہتا ہوں تو وہ التفات نہیں کرتا۔ جوں جوں گاڑی چلتی رہی اس کو پریشانی بڑھتی رہی۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ کسی شخص کو اس کا علم یقینی ہو جانا کہ میں منزلِ مقصود کی طرف صحیح راستہ پر چل رہا ہوں خود ایک بہت بڑی نعمت اور راحت ہے۔ اس لئے وہ جزائے عمل بھی کہلا سکتی ہے۔ اس آیت نے ایمان والوں کو یقین دلایا کہ تم صحیح راستہ پر چل رہے ہو۔ اس لئے بے فکر رہو۔ اس سے بڑی اور نعمت کیا ہوگی۔

اہل باطل کے کلام کا مطالعہ سخت مضر ہے

فرمایا کہ اہل باطل کے اقوال و افعال اور حالات میں گفتگو یا اس پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ قلب کے لئے سخت مُضر ہے۔ بضرورت مناظرہ کبھی دیکھنا پڑے تو حدِ ضرورت سے کبھی تجاوز نہ ہونا چاہیئے۔

ارشاد

فرمایا کہ حدیث لا تجعلوا بیوتکم قبوراً یعنی اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اس کا یہ مفہوم تو مشہور ہے کہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ سے خالی رہنے کو قبر بنانے سے تعبیر کر کے اس کی خرابی کا بیان ہے مگر اس کی ایک تشریح بعض نے یہ بھی کی ہے کہ اپنے گھروں کے اندر قبریں نہ بناؤ کہ گھروں ہی سے قبرستان کا کام لینے لگو۔

وقف کے مسئلہ میں ایک فقہی اشکال اور جواب

احقر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ نقد آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں۔ اس میں ایک زمانے تک مجھے تردد رہا۔ کیونکہ نقود سے انتفاع بغیر اُن کے استہلاک کے نہیں ہوتا اور وقف کے لئے تابید اور بقاء عین شرط ہے۔ اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی تو اس سے لازم آیا کہ یہ واقف کی ملک ہو اور واقف مر جائے تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو۔

مگر فتاویٰ عالمگیری کی ایک عبارت نے یہ مسئلہ الحمد للہ حل کر دیا۔ عالمگیری طبع مصطفائی کتاب الوقف، جلد نمبر ۲ ص ۲۸۴ باب الحادی عشر فصل ثانی میں یہ عبارت ہے:

ان كان لا يمكن تصحيحه وقفاً فيجوز تصحيحه ملكا للمسجد هبة على المسجد : اگرچہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے مگر اس کو اس حیثیت سے صحیح کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسجد پر ہبہ ہوا اور مسجد کی ملک ہو۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ملک مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی جو وقف اور ہبہ کے بین بین ہے اس کو ملک مسجد سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ فللہ الحمد۔ بہر حال اس عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ یہ اوقاف کی نقد رقوم ملک واقف سے نکل گئی ہیں ورنہ انکا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔

ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں سے کام اس لئے زیادہ نہیں لیتا کہ مجھ میں احسان ماننے کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ جس سے ذرا سا کام لیتا ہوں پھر ہر معاملہ میں اس کی رعایت مدنظر ہوتی ہے۔ اور یہ رعایت اُس شخص کے لئے مضر ہوتی ہے۔ البتہ جس سے بے تکلفی ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس فرمایا کہ مولانا بڑے جامع علوم اور جامع کمالات تھے۔ ہر فن کے ماہر تھے۔ کھانا پکانے کپڑا بیونتنے اور سینے کا عجیب ملکہ تھا۔ موسیقی کے فن کو پورا جانتے تھے۔ مولانا کے ملفوظات عجیب حکیمانہ تھے۔ حضرت کے جتنے ملفوظات مجھے یاد ہیں شاید اور کسی کو نہیں ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ مجھے مولانا سے محبت و عقیدت بھی سب سے زیادہ تھی۔ اور میری حاضری کے وقت مولانا کا دل افادہ کے لئے کھل جاتا تھا۔

فرمایا کہ : وفادار ناقص اچھا ہے بے وفا کامل سے۔

فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی سے چھپنا چاہے مثلاً مظلوم ہو ظالم سے۔ بھاگے تو چاہیئے کہ کسی قریب ہی جگہ چھپے کیونکہ دیکھنے والے عموماً قریب نہیں دیکھتے۔ اور اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غار ثور میں چھپنا ہے۔

فرمایا کہ راز کو پوشیدہ کر کے کہنے کا طریقہ تو سب جانتے ہیں۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجمع کے سامنے باتوں کے درمیان ملا ملا کر راز کی بات کہہ دے۔ کسی کو التفات بھی اُس طرف نہ ہو گا جس کو سمجھانا ہے وہ سمجھ جائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں بزرگوں کا اجتماع ایک مستقل نعمت اور دولت تھی۔ جس کے فقدان کے لازمی اثرات آج کل محسوس ہو رہے ہیں۔ ورنہ مدرسہ تو بظاہر ترقی پر ہے۔ آمد و خرچ اور تعمیری ترقی کے علاوہ اہل علم کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی ہے مگر اہل باطن بزرگوں کی کمی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ علوم میں تبحر بھی جبھی مفید ہوتا ہے جب باطنی حالات اور اخلاق و اعمال درست ہوں۔

دار الافتاء

مولانا محمد رفیع عثمانی، استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ اور سُود کے مسائل

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ اور فنڈ پر ملنے والے منافع کے بارے میں مفصل تحقیقی رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" میں آچکی ہے۔ یہاں اُن کے مختصر مسائل جو اسی تحقیق پر مبنی ہیں لکھے جاتے ہیں۔ بعض مسائل اگرچہ واضح تھے مگر کچھ حضرات ان کے بارے میں بھی پوچھتے ہیں۔ عوام کی سہولت کے لئے انھیں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

آگے جو احکام آرہے ہیں، ملازمت خواہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری دونوں صُورتوں میں وہ یکساں ہیں:

مسئلہ (۱): جبری پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بماہ کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بنام سُود جمع کرتا ہے شرعاً ان تینوں رقموں کا حکم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہیں اگرچہ سُود یا کسی اور نام سے دی جائیں۔ لہٰذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سُود نہیں۔ البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اگر اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بنام سُود دے گا اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس میں تشبّہ بالربوا بھی ہے اور سود خواری کا ذریعہ بنالینے کا خطرہ بھی۔ اس لئے خواہ وصول ہی نہ کریں یا وصول کر کے صدقہ کردیں۔

(تنبیہ): یاد رہے کہ جو ملازم مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ جبری فنڈ پر محکمہ جو رقم بنام سود دیتا ہے وہ شرعاً بھی سود ہے، پھر اس نے سود ہی سمجھتے ہوئے محکمہ سے اس زائد رقم کا معاملہ کیا تو اگرچہ یہ زائد رقم اس کے لئے حلال ہے مگر اس نے جو سود لینے کی نیت کی یہ نیت گناہ ہے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ اس غلط نیت سے توبہ کرے [۱]۔

مسئلہ (۲): جو حکم مسئلہ ۱ میں بیان کیا گیا یہ اس وقت ہے جبکہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو یا اگر کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو محکمہ نے اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو، اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر یہ رقم کسی شخص یا بنک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمپنی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کرکے اس کی تحویل میں دی ہو اب اگر بنک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہی ہوگا جس کا لینا ملازم کے لئے قطعاً حرام ہے فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔

مسئلہ (۳): البتہ اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کو اس شرط پر دلوائی ہو کہ وہ اسے اپنی تجارت میں لگائے اور ملازمین نفع و نقصان میں شریک ہوں یعنی کمپنی کو نقصان ہوا تو ملازم کے حصہ کا نقصان ملازم پر پڑے اور نفع ہوا تو نفع کا اتنا فی صد (جتنا فیصد بھی طے ہوا ہو) ملازم کو ملے تو جو نفع اس صورت میں ملازم کو ملے گا وہ سود نہیں، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری دونوں صورتوں میں اس نفع کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

مسئلہ (۴): تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اس پر ماہ بماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بنام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ان میں سے کسی رقم پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہاں وصول ہونے کے بعد سے ضابطہ کے مطابق اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مگر صاحبینؒ کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص تقویٰ و احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دے

---

[۱] اور یہ حکم پراویڈنٹ فنڈ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حلال چیز جو حرام نیت سے استعمال کی جائے اس کا یہی حکم ہے مثلاً کوئی بکرے کا گوشت یہ سمجھ کر کھائے کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے تو اگرچہ یہ گوشت حلال ہے مگر اس نے یہ حلال گوشت خنزیر کا گوشت کھانے کی نیت سے کھایا ہے، یہ نیت حرام ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

تو افضل اور بہتر ہے۔ نہ لے تو کوئی گناہ نہیں کیونکہ فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

مسئلہ (۵): مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے جبکہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروائی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بنک، بیمہ کمپنی، کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ کی تحویل میں دلوادی تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضہ میں لے لی ہو کیونکہ اس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اس ملازم کی وکیل ہوگئی اور وکیل کا قبضہ شرعاً مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا جب سے یہ رقم اس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے اور ہر سال کی زکوٰۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

مسئلہ (۶): اسی طرح اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی کمپنی کو اس شرط پر دلوادی کہ وہ اسے تجارت میں لگائے اور ملازم اس کے نفع نقصان میں شریک ہو تو جس وقت سے یہ رقم اس کمپنی کو منتقل ہوگی اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے اور ہر سال کی زکوٰۃ ملازم پر ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی اور جب اس پر نفع ملنا شروع ہوگا تو نفع پر بھی زکوٰۃ کے احکام جاری ہوں گے۔

مسئلہ (۷): جب یہ رقم ملازم یا اس کے وکیل کو وصول ہوگی تو زکوٰۃ کے مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب پر اس کا حکم اور ضابطہ وہی ہوگا جو کسی اور نئی آمدنی (مال مستفاد) کا ہوتا ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے:

(۱) ملازم اگر وصولیابی سے پہلے بھی صاحبِ نصاب نہیں تھا اور فنڈ کی رقم بھی اتنی کم ملی ہے کہ اُسے ملا کر بھی اس کا کل مال مقدار نصاب کو نہیں پہنچا تو وجوب زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر پہلے صاحب نصاب نہیں تھا مگر اس رقم کے ملنے سے صاحب نصاب ہوگیا تو وصولیابی کے وقت سے جب تک پورا ایک قمری سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہ ہوگی اور سال پورا ہونے پر بھی اس شرط پر واجب ہوگی کہ اس وقت تک یہ شخص صاحبِ نصاب رہے۔ لہٰذا اگر سال پورا ہونے سے پہلے مال خرچ یا چوری وغیرہ ہو کر اتنا کم رہ گیا کہ یہ شخص صاحب نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک مال بقدر نصاب بچا رہا تو جتنا بچا صرف اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جو خرچ ہوگیا اسکی واجب نہ ہوگی۔

(۳) اور اگر یہ ملازم پہلے سے صاحب نصاب تھا تو فنڈ کی رقم مقدار نصاب سے خواہ کم ملے یا زیادہ اس کا

سال علیحدہ شمار نہ ہوگا بلکہ جو مال پہلے سے اس کے پاس تھا جب اس کا سال پورا ہوگا فنڈ کی وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ بھی اسی وقت واجب ہو جائے گی خواہ اس نئی رقم پر ایک ہی دن گزرا ہو مثلاً ایک شخص کی ملکیت میں ایک ہزار روپے سال بھر سے موجود تھے سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے اُسے پراویڈنٹ فنڈ کے مثلاً ایک ہزار روپے مل گئے تو اب اگلے روز اُسے پُورے دو ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ (۸): جو شخص پہلے سے صاحبِ نصاب تھا اور سال پورا ہونے سے مثلاً چار ماہ پہلے اسے فنڈ کی رقم مل گئی مگر وصولیابی کے بعد چار ماہ گزرنے نہ پائے تھے کہ کچھ روپے خرچ ہو گئے تو اب باقی ماندہ مال اگر بقدر نصاب ہے، تو جتنا باقی ہے اُس کی زکوٰۃ واجب ہوگی

اور جو خرچ ہو گیا اس کی واجب نہ ہوگی۔ اگر باقی ماندہ مال نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ بالکل واجب نہ ہوگی خلاصہ یہ کہ جو شخص صاحبِ نصاب ہو وسطِ سال میں مال کی کمی بیشی کا اس پر کچھ اثر نہ پڑے گا بلکہ سال کے اختتام پر جتنا مال موجود ہوگا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ: (۹): مسائل زکوٰۃ کی یہ سب تفصیل امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھی اور اگر احتیاطاً صاحبینؒ کے اقوال کے مطابق سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دی جائے تو یہ بہت بہتر اور افضل ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سے ملازم صاحبِ نصاب ہوا اس وقت سے ہر سال کے اختتام پر یہ حساب کر لیا کرے کہ اب اس کے فنڈ میں کتنی رقم جمع ہے۔ جتنی اُس وقت ہو اس کی زکوٰۃ ادا کر دے اسی طرح ہر سال کرنا ہے۔

اپنے فنڈ سے قرض لینا

مسئلہ (۱۰): معلوم ہوا ہے کہ محکمہ ملازم کو اس کے فنڈ میں سے بوقت ضرورت کچھ رقم بنام قرض دیتا ہے پھر اس کی اگلی تنخواہوں سے قسط وار اتنی ہی رقم اور کچھ مزید رقم جو بنام سود ہوتی ہے کاٹ کر مجموعہ اسی ملازم کے فنڈ میں جمع کر دیتا ہے۔ اس طرح ملازم کو رقم دینے سے اس کے فنڈ میں جو کمی آگئی تھی وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اختتام ملازمت پر کل رقم اس کو مل جاتی ہے۔ یہ معاملہ اگرچہ سُودی قرض کے نام سے کیا جاتا ہے لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اور جس کے مطالبہ کا اُسے حق تھا اُس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔

اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم ادائے قرض کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی ادائے قرض نہیں بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے اور اسی کی طرح یہ بھی ملازم کا محکمہ

کے ذمہ قرض ہے، کیونکہ یہ کٹوتی بھی اسی کے فنڈ میں جمع ہو کر اختتام ملازمت پر اسی کو مل جاتی ہے۔

اور جو رقم اس کی تنخواہوں سے بنام سود کاٹی جاتی ہے وہ بھی شرعاً سود نہیں۔ اس لئے کہ سود دوسرے کے مال پر دیا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ رقم ملازم ہی کے مال پر وصول کر کے ملازم ہی کو واپس مل جاتی ہے۔ لہٰذا ملازم کو مذکورہ طریقہ سے قرض لینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

مسئلہ (۱۱): اوپر معلوم ہو چکا کہ ملازم کو اس کے فنڈ میں سے جو رقم بنام قرض دی جاتی ہے، شرعاً یہ قرض نہیں بلکہ اس کا جو قرض محکمہ کے ذمے تھا اسی کے ایک جزو کی وصولیابی ہے۔ اس لئے اس رقم کی وصولیابی کے وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام اسی ضابطہ کے مطابق جاری ہو جائیں گے جس کی تفصیل مسئلہ ۲ تا ۷ میں بیان ہوئی۔

مسئلہ (۱۲): اگلی تنخواہوں سے جو رقم محکمہ یہ کہہ کر کاٹتا ہے کہ دیا ہوا قرض اور اس کا سود وصول کیا جا رہا ہے چونکہ شرعاً یہ ادائے قرض ہے نہ سود بلکہ فنڈ کی دیگر کٹوتیوں کی طرح یہ بھی محکمہ کے ذمہ ملازم کا قرض ہے اس لئے سود اور زکوٰۃ کے مسائل میں اس کے بھی سب احکام وہی ہیں جو فنڈ کی دیگر جمع شدہ رقم کے ہیں اور پیچھے تفصیل سے گذر چکے ہیں۔

اس معاملہ کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا ایک فتویٰ جو امداد الفتاویٰ میں چھپ چکا ہے۔ مع سوال وجواب یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

فتویٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

السوال، بعض محکموں میں گورنمنٹ جبراً تنخواہ سے کچھ کاٹ لیتی ہے اور جتنا کاٹتی ہے قریب قریب اتنا ہی اپنے پاس سے بنام سود جمع کرتی رہتی ہے۔ پھر پنشن کے بعد وہ سب روپیہ ملتا ہے۔ درمیان میں اگر کوئی ضرورت واقع ہو تو تین ماہ کی تنخواہ کی مقدار تک مل سکتا ہے۔ جس کو ۲۴ ماہ میں بانقساط وصول کر لیا جاتا ہے لیکن سود بھی دینا پڑتا ہے لیکن وہ سود بھی اسی کے حساب میں لگا دیا جاتا ہے تاکہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے اس رقم میں کوئی فرق واقع نہ ہو جو بعد پنشن کے ملے گی۔ شرعاً اس طرح روپیہ نکالنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے۔ گو وہ اپنے ہی حساب میں جمع ہو جاتا ہے۔ ؟

الجواب: اس سوال میں دو جزو قابل تحقیق ہیں، ایک اپنی تنخواہ کی رقم پر گورنمنٹ سے سود لینا، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ گنجائش ہے جس کی تنخواہ جبراً جمع کر لی جائے،

دوسرا جزء جو رقم درمیان میں لی جاتی ہے اس پر سُود دینا، سو اُس مسئلہ مختلف فیہا میں داخل نہیں کیونکہ وہ مسئلہ اخذ سود کا ہے، اور یہ اعطاء سُود ہے جس کی حرمت منصوص علیہا ہے لیکن اس میں ایک تاویل ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ یہ شخص گورنمنٹ سے قرض نہیں لیتا، بلکہ اس کا جو قرض گورنمنٹ کے ذمّہ ہے اُس کے ایک حصّہ کا مطالبہ کرتا ہے جس کا اس کو شرعاً حق ہے پھر جس وقت اس رقم کو واپس کرتا ہے یہ واپسی ادائے قرض نہیں، بلکہ مثل دیگر رقم جمع شدہ کے یہ بھی گورنمنٹ کو قرض ہی دینا ہے اور جب واپس کردہ رقم خود اس کی ملک ہے، اور سود ہوتا ہے دوسرے کی مملوک رقم پر اس لئے یہ جو سُود کے نام سے دیا گیا ہے سُود نہیں ہے۔ پس اس کا دینا ادائے سود بھی نہیں اس لئے اس کو ناجائز بھی نہ کہا جائے گا، بلکہ اخذ مذکور کی حلت تو مختلف فیہ بھی ہے اور اس اعطار کی حلت اس تاویل پر متفق علیہ ہو گی۔ البتہ پھر اس رقم پر جو اخیر میں گورنمنٹ سے سُود لیا جاوے گا وہ پھر اخذ مختلف فیہ ہو گا۔ کما سبق واللہ اعلم۔ امداد الفتاویٰ، ج ۳ ص ۱۱۱)

۱۲ر شوال ۱۳۵۲ھ (النور، ص ۹) ربیع الاول ۵۴ھ

مذکورہ بالا سب مسائل حتی الامکان آسان انداز میں لکھے گئے ہیں تاہم اگر کسی مسئلہ میں اشتباہ باقی رہے تو مقامی مستند علماء کرام کو دکھا کر سمجھ لیا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دار الافتاء، دار العلوم کراچی ۱۴ ۱۵ ۹۳ھ

نئی ایجنسیاں

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

★

خواتین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

حدیث نمبر ۱۲۸

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلَىٰ خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّىٰ يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ ۔ رواه البخاری ومسلم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ اور اتنا انتظار کرے کہ جب تک (اپنے سے پہلے پیغام بھیجنے والا اس جگہ) نکاح نہ کرلے یا اس جگہ نکاح کی بات چیت چھوڑ نہ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۱ بحوالہ بخاری مسلم)۔

تشریح: اسلام نے ایک دوسرے کو جسمانی یا روحانی تکلیف دینے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کے آپس کے جو حقوق بتائے ہیں ان میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ یعنی مسلمان مسلمان کی ہمدردی اور خیر خواہی کرے سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی جگہ کسی مسلمان مرد یا عورت کے نکاح کی بات چل رہی ہو تو دوسرا کوئی مسلمان اس کے حق میں اس جگہ کو بگاڑ نہ دے، مثلاً کبھی

عورت سے نکاح کرنے کے لئے کسی مرد کا پیغام پہنچا ہے اور بات چیت چل رہی ہے۔ تو دوسرا کوئی شخص مرد یا عورت ایسی ترکیبیں نہ کرے کہ ان کا رشتہ ہوتا ہوا کٹ جائے۔ ان تدبیروں میں جہاں یہ بات ہے کہ لڑکے یا لڑکی میں کوئی عیب بتا دیا جائے وہاں یہ صورت بھی رشتہ کاٹنے کے لئے اختیار کر لیتے ہیں کہ کوئی دوسرا رشتہ تجویز کر کے کسی فریق کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اور ترکیب یہ کرتے ہیں کہ اپنا یا اپنے کسی عزیز کا پیغام بھیج دیتے ہیں۔ لڑکے یا لڑکی کا ولی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ پہلے پیغام بھیجنے والے سے انکار کر دیتا ہے، اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جب کسی جگہ کسی مسلمان مرد یا عورت کے نکاح کی بات چل رہی ہو تو اس جگہ اپنا پیغام نہ بھیجو بلکہ انتظار کرتے رہو۔ اور دیکھو کہ بات کس طرح ختم ہوتی ہے۔ اگر آپس میں ان کا نکاح ہو جائے تب تو دوسرے پیغام کی گنجائش ہی ختم ہو گئی۔ اور اگر بات چلتے چلتے کٹ جائے اور دونوں فریق میں سے ایک فریق قطعی طور پر نفی میں جواب دے کر بات ختم کر دے تو اب تم اپنا پیغام دے سکتے ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی نصیحت خرید و فروخت کے بارے میں بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَا یَسُمُ الرَّجُلُ عَلٰی سومِ اَخِیہِ المسلم (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسلم) یعنی ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے، یعنی جب دو آدمیوں میں کسی چیز کی خرید و فروخت کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہو تو تیسرے شخص کے لئے جائز نہیں کہ درمیان میں دخل دے کر خود دام لگانا شروع کر دے۔ البتہ انتظار کرتا رہے اگر ان کا معاملہ نہ بنے اور بالکل بات ختم ہو جائے تو دام لگا دے۔

حدیث نمبر ۱۲۹

وَعَنْہُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَاتَسْاَلِ الْمَرْأَۃُ طَلَاقَ اُخْتِہَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَہَا وَلْتَنْکِحْ فَاِنَّ لَہَا مَا قُدِّرَ لَہَا۔ رواہ البخاری ومسلم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے۔ اور چاہیے کہ اپنا نکاح کسی دوسرے سے کرے کیونکہ جو اس کی تقدیر میں ہے وہ ضرور اُسے ملے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲ بحوالہ بخاری و مسلم۔

تشریح: اس حدیث میں بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کوئی کسی کا بُرا نہ چاہے۔ جب کوئی مرد کسی

نکاح کا پیغام دے تو اسے اپنی صوابدید کے مطابق ہاں یا نہ کا جواب دے دینا چاہیے۔ اگر اس مرد کے نکاح میں پہلے سے کوئی عورت ہو تو اپنا نکاح کرنے کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے تاکہ شوہر سے جو کچھ اس کو ملتا ہے اس سے اس کا پیالہ خالی کر دے یعنی اُسے محروم کر کے خود اس منفعت کو اپنے لئے مخصوص کر لے۔

بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ جب دو عورتیں کسی مرد کے نکاح میں ہوں تو کوئی سوتن شوہر سے اپنی سوتن کی طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اُسے طلاق ہو جائے تو وہ دوسری جگہ نکاح کر لے۔ اور یہ طلاق کا تقاضا کرنے والی تنہا شوہر پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور شوہر سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں ان سب سے دوسری کو محروم کر کے اپنے لئے مخصوص کرے۔ حدیث کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے۔ بہرحال یہ دونوں باتیں شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہیں یعنی جس مرد سے نکاح کرنا ہو اس کی پہلی بیوی کو طلاق دلانے کا تقاضا کرنا اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے نکاح میں پہلے سے ہو یا بعد میں آ جائے اس کی طلاق کا سوال کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل تو بہن فرما کر رحمت اور شفقت کی طرف توجہ دلائی کہ جس عورت کی طلاق کا سوال کرو گی وہ بھی تو مسلمان ہوگی۔ اپنی اس مسلمان بہن کو اس کے شوہر کی شفقت سے کیوں محروم کرتی ہو۔ جب کہ تم اپنے لئے ایسا پسند نہیں کر سکتی ہو۔ مسلمان کی ایمانی ذمّہ داریوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہ دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے۔ اور جو کچھ اپنے لئے ناپسند کرے وہ دوسرے مسلمان کے لئے بھی ناپسند کرے۔

پھر یہ فرمایا کہ کسی عورت کو اس کے شوہر سے الگ کرا کر اس کے شوہر سے نکاح کرنے کی کوشش جہاں اس کی ایذاء کا باعث ہے وہاں تقدیر سے آگے بڑھنے کے بھی مرادف ہے۔ ہر مرد و عورت کے لئے مال اور رزق اور دیگر منافع مقدر ہیں۔ جو عورت چاہتی ہے کہ کسی عورت کو طلاق دلا کر اُس کے شوہر سے نکاح کرے اسے چاہیئے کہ اس کے شوہر پر قبضہ کرنے کے بجائے کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کرے۔ ہزاروں مسلمان مرد موجود ہیں۔ جو تقدیر میں ہے وہ اس کے پاس بھی ملے گا اور اُس کے پاس بھی۔

آج کل عورتوں میں یہ مرض بہت زیادہ ہے ایسے ایسے واقعات سُنے ہیں کہ بہن نے بہنوئی سے نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا اور بہنوئی کو اپنی حقیقی بہن کو طلاق دینے پر آمادہ کر کے طلاق دلا دی اور اُسے خود اپنا شوہر بنا کر بیٹھ گئی۔

حدیث نمبر ۱۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْعَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ۔ رواہ ابوداؤد۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے (یعنی جماعت مسلمین میں سے) نہیں ہے جو کسی عورت کو فریب دے کر شوہر کی مخالف بنادے یا کسی غلام کو دھوکہ دے کر اُسے آقا کا مخالف بنادے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۸۲ بحوالہ ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی نصیحت فرمائی ہے کہ کوئی مرد و عورت کسی عورت کو ورغلا کر اور سمجھا بجھا کر اس کے شوہر کی مخالفت پر آمادہ نہ کرے۔ اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو وہ غیر اسلامی فعل ہوگا۔ بہت سے مرد و عورت اس میں مزہ لیتے ہیں کہ کسی کا گھر بگاڑ دیں۔ شوہر کو بیوی کے خلاف یا بیوی کو شوہر کے خلاف بھڑکانے کو کمال سمجھتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر میاں بیوی میں کوئی رنجش ہوگئی کسی نے شوہر کو چڑھایا اور کسی نے بیوی کو اکسایا، اور دونوں میں صلح کرانے کے بجائے معمولی سی رنجش کو ناقابل عبور سمندر بنا دیا۔ ایسے لوگوں کی حرکت سے میاں بیوی قریب آنے کے بجائے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسی حرکت کرنے والے اجنبی ہی نہیں ہوتے بلکہ زلفین کے رشتہ دار ہی ایسا کام زیادہ کرتے ہیں۔ بہت سے ماں باپ یا بہن بھائی مرد کو اس کی بیوی کے خلاف اُبھارتے ہیں۔ عورت کی ماں بہن یا محلہ کی عورتیں عورت کو شوہر کے خلاف ابھارتی ہیں۔ دیکھ تجھے ایسا ایسا کہا ہے، تو کوئی گرے پڑے گھر کی تھوڑا ہی ہے۔ جو ایسی باتیں سُنے گی۔ تیرا زیور بھی بیچ کھایا اور تجھے زیور کی ایک کیل بھی بنا کر نہیں دی۔ کپڑے بھی وہی تیرے ماں باپ کے گھر کے چل رہے ہیں۔ کیسے شوہر کے پلے بندھی ہے۔ ان باتوں سے اس کا دل کھٹا ہو جاتا ہے۔ شوہر سے لڑتی رہتی ہے۔ وہ بھی بُری طرح پیش آتا ہے اور بدمزگی بڑھتے بڑھتے طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

جب طلاق ہو جاتی ہے تو اب شوہر بھی دوسری شادی کے لئے پریشان ہے مگر کسی جگہ شادی کا موقع نہیں لگتا اور بیوی کے اقرباء و اولیاء بھی چاہتے ہیں کہ کہیں رشتہ ہو جائے مگر لوگ اسکو اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اسے طلاق ہو چکی ہے۔ عادت و خصلت خراب ہوگی تب ہی تو ایسا ہوا۔ بہر حال جن کا گھر بگڑا "مصیبت جھیلتے ہیں۔ شیطان اپنی حرکتیں انسانوں سے بھی کرا لیتا ہے۔ اللہ شیطان کے کاموں سے سب کو بچائے۔ آمین! □

تراشے

محمد تقی عثمانی

امام ابو یوسف کے آخری لمحات

ابراہیم بن الجراح کہتے ہیں کہ میں امام ابو یوسفؒ کے مرض وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے سوال کیا۔

"ابراہیم! بتایئے، حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟"

میں نے عرض کیا: "پیدل کرنا افضل ہے۔"

امام ابو یوسف نے فرمایا: "یہ درست نہیں"

"پھر سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہو گا؟" میں نے کہا۔

"نہیں!" امام ابو یوسف نے جواب دیا۔ "یہ بھی درست نہیں"

پھر خود ہی فرمایا: "جس رمی کے بعد کوئی اور رمی کرنی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے، اور جس کے بعد کوئی اور رمی نہ ہو، اسے سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔"

ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ امام ابو یوسفؒ ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں؟ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ اپنے مالک حقیقی سے جاملے ہیں۔ (معارف السنن لمولانا البنوری مدظلہم، ص ۴۲۴، ۴۲۵ ج ۶ بحوالہ البحر الرائق و فتح القدیر)۔

حضرت کعب بن زہیرؓ کی چادر

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور کفر کی حالت میں اُن سے اہلِ اسلام کو بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، فتح مکہ کے بعد اسلام تو ان کے دل میں گھر کر گیا تھا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے شرماتے تھے۔ پھر لوگوں نے انھیں تسلی دی کہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر معافی مانگو گے تو آپ ضرور معاف فرما دیں گے۔ اس پر انھوں نے حاضری کا ارادہ کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے کہ ؎

بانت سُعادُ فقلبی الیوم متبولُ

مُتیّمٌ اِثرھا، لم یُفدَ، مکبولُ

یہ قصیدہ انھوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر خود آپ کو سُنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کی تمام پچھلی خطائیں معاف کیں بلکہ اپنی ایک چادرِ مبارک بھی انھیں انعام کے طور پر عطا فرمائی۔ اسی لئے اس قصیدہ کو "قصیدة البردة" (چادر والا قصیدہ) کہتے ہیں۔ (علامہ بوصیریؒ کا ایک اور قصیدہ بھی قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے اس کی وجہ دوسری ہے)

بہر کیف یہ چادر جو حضرت کعب بن زہیرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور انعام ملی تھی، آخر دم تک حضرت کعبؓ کے پاس محفوظ رہی۔ حضرت معاویہ بن ابی سُفیانؓ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت کعبؓ سے یہ چادر خریدنی چاہی اور دس ہزار درہم کی پیش کش کی، لیکن حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کپڑے کے مقابلہ میں کسی قیمت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ پھر جب حضرت کعبؓ کی وفات ہو گئی تو حضرت معاویہؓ نے ان کے وارثوں سے چالیس ہزار درہم میں خرید لی، حضرت معاویہؓ کے بعد یہ چادر بنوامیہ کے خلفاء میں بطور میراث منتقل ہوتی رہی۔ بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے اسے بنوامیہ سے تین سو دینار میں خریدا اور پھر بنو عباس کے خلفاء میں محفوظ رہی، یہاں تک کہ جب تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد تباہ ہوا تو یہ چادر بھی تاتاری لے گئے۔ (معارف السنن ص ۵۱۳ ج ۶ بحوالہ سیرت حلبیہ و ابن کثیرؒ)

خواب میں تلاوت قرآن کی تعبیریں

علامہ کمال الدین ادمیؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآن شریف ناظرہ پڑھ رہا ہے تو

(باقی ص ۵۶ پر)

- تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمایئے
- تبصرہ کتاب کے مجموعی تاثر کی بنیاد پر لکھا جاتا ہے، کتاب کے ہر ہر جزء کی ذمہ داری تبصرہ نگار پر نہیں ہے۔
- کوشش کی جاتی ہے کہ موصولہ کتب پر تبصرہ باری باری شائع ہو، لیکن مدیر کی سہولت کے مطابق اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

نقد و تبصرہ

قصص القرآن (کامل ۴ جلد)

مولفہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ۔ ناشر: دار الاشاعت، مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ، کراچی نمبر ۱۔ سائز ۲۶×۲۰/۸ ضخامت جلد اوّل ۵۷۲ صفحات۔ جلد دوم ۲۸۰ صفحات۔ سوم ۴۱۲ صفحات چہارم ۵۲۰ صفحات۔ کاغذ سفید، پلاسٹک کور کی خوبصورت جلدیں۔ قیمت مکمل سیٹ: ۶۴/- روپیہ۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر تبصرہ کتاب اُن شاندار علمی کتابوں میں سے ہے جن پر اردو زبان فخر کرے تو بجا ہے، اس کتاب کا موضوع اُن واقعات کی تشریح و توضیح ہے جو قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ مولانا کا طرز یہ ہے کہ پہلے وہ ایک واقعہ سے متعلق قرآنی آیات یکجا جمع کر کے اس کی مختلف تفصیلات قرآن کریم کی روشنی میں نہایت دلنشیں اسلوب کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ پھر حدیث اور تاریخ کی مستند روایات کی مدد سے اس کی جو مزید معلومات مہیا ہو سکتی ہیں، انھیں ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس واقعہ سے متعلق جو تاریخی، کلامی اور تفسیری مباحث پیدا ہوتے ہیں، انھیں نہایت سلامت فکر علمی وقار اور تحقیقی ذوق کے ساتھ حل فرماتے ہیں۔ اور یہ اس کتاب کی خاص چیز ہے۔ اور پھر سب سے آخر میں "نتائج و عبر" کے عنوان سے واقعہ سے حاصل ہونے والی ان عبرتوں کو بڑے موثر پیرائے میں ذکر کرتے ہیں جن کی طرف توجہ دلانا.... قرآن کریم کا اصل مقصد ہے۔

پچھلے انبیاء علیہم السلام اور گزشتہ اُمتوں کے واقعات پر جو دوسری کتابیں موجود ہیں، وہ یا تو غیر مستند اسرائیلی حکایات

پرمشتمل ہیں اور ان میں علمی تحقیق بالکل مفقود ہے یا پھر اہل تجدد "تحقیق" کا نام لے کر بیٹھے ہیں تو انھوں نے قرآن و حدیث کے اجتماعی مسلمات تک کو اس خراد پر گھس دیا ہے۔ خاص طور سے انکار معجزات کے شوق میں انھوں نے سارے قرآن کو شاعرانہ تمثیلات کا مجموعہ قرار دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اُس راہ اعتدال پر قائم رہے ہیں جو اہل حق کا طرۂ امتیاز ہے۔ انھوں نے روایات کی چھان پھٹک میں ایک محقق ناقد کے فرائض پوری طرح انجام دیئے ہیں، لیکن جو بات قرآن کریم کی صراحتوں اور صحیح احادیث کے ذریعہ ثابت ہوگئی اُسے کسی ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر بے کم و کاست بیان کیا ہے، اور اس پر عصر حاضر کے پیدا کردہ اعتراضات و شبہات کو نہایت اطمینان بخش انداز میں دُور فرمایا ہے۔

اس طرح یہ کتاب انتہائی دلچسپ معلومات آفریں، تاریخی و تحقیقی مواد سے بھرپور اور بلاشبہ فاضل مولف کے تدبر قرآن کا شاہکار ہے۔ پاکستان میں عرصۂ دراز تک نایاب رہنے کے بعد دارالاشاعت نے اسے یہاں شائع کرکے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ کتابت و طباعت ہر لحاظ سے کتاب کے شایان شان ہے اور امید ہے کہ علمی و دینی حلقوں میں اس خدمت کی پوری قدردانی کی جائے گی۔ (م ت ع)

اسلام میں سُنّت وحدیث کا مقام (جلد دوم)

تالیف: شیخ مصطفیٰ حسنی سباعی، ترجمہ: مولانا احمد حسن ٹونکی۔ ترمیم و تعلیق حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی دامت برکاتہم۔ ناشر: شعبۂ تصنیف و تالیف مدرسۂ عربیہ جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی ۵، ۲۰×۲۶/۸ سائز کے ۳۲ہ صفحات، کاغذ سفید۔ کتابت و طباعت متوسط، قیمت درج نہیں۔

اس کتاب کی پہلی جلد پر تبصرہ البلاغ میں پہلے آچکا ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث کی تردید میں جتنا لٹریچر اب تک ہماری نظر سے گزرا ہے اُس میں شاید یہ کتاب سب سے زیادہ مفصل، مدلل اور اطمینان بخش ہے۔ پہلی جلد سنت و حدیث سے متعلق اصولی مباحث پر مشتمل تھی، اب اس جلد میں اُن جزوی اعتراضات و شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے، جو مستشرقین یا ان کے معنوی شاگردوں نے مختلف احادیث یا ان کے راویوں پر عائد کئے ہیں، چنانچہ شروع کے ۱۳۹ صفحات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام اور اُن کی روایات پر وارد کئے گئے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ فجرالاسلام کے مؤلف احمد امین مصری اور ڈاکٹر ابوریہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت کو بنیاد بنا کر ان کی احادیث کو مشکوک بنانے کی جو کوشش کی ہے، فاضل مولف نے بڑے عالمانہ انداز میں اس کی

حقیقت واضح کی ہے اور ان دونوں کے اعتراضات کے تارو پود اس طرح بکھیرے ہیں کہ بحث کے اختتام پر ہر انصاف پسند انسان اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرتا ہے۔

ساتویں فصل میں جو صفحہ ۱۵۶ سے شروع ہوتی ہے مستشرقین کے تصورِ سنت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور منکرین حدیث کے امام اگنس گولڈ زیہر کے دلائل کی قلعی کھولی گئی ہے۔ اس ضمن میں مستشرقین کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ امام زہریؒ نے اموی حکومت کی خواہشات کے مطابق احادیث وضع کی تھیں۔ فاضل مولفؒ نے ناقابل انکار دلائل اور شواہد سے اس بے بنیاد دعوے کی مستحکم تردید کی ہے۔

تیسرے اور چوتھے باب میں قرآن اور سنت کے باہمی رابطہ کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس مقام پر کوئی حدیث قرآن کریم کی کسی آیت سے بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہے وہاں اصولی طرز عمل کیا ہونا چاہئے؟

پھر خاتمہ میں احادیث کے باب میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ان کے بارے میں جو پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر فوقیت دیتے ہیں، اس کی مدلل تردید کی گئی ہے۔ اور سب سے آخر میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد اور ائمۂ ستہ کے حالات اور حدیث کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔

کتاب کا ترجمہ بڑا سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کا شعبۂ تصنیف و تالیف اس کتاب کی پیش کش پر تمام علمی و دینی حلقوں کی طرف سے مبارک باد کا مستحق ہے۔ (م ت ع)

مجلس صیانۃ المسلمین کے کتابچے

ناشر: مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین، ۱۴۰۔ گورونانک روڈ اسلام پورہ لاہور۔

"مجلس صیانۃ المسلمین" ایک اصلاحی اور تبلیغی انجمن کا نام ہے جس کا خاکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا تھا جو ماہنامہ النور بابت جمادی الثانیہ ۴۹ھ جلد ۱۱ ۱۲ میں شائع ہو چکا ہے پھر پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی لاہور میں اس کا عملی آغاز کیا۔ یہ مجلس اس وقت سے لاہور میں کام کر رہی ہے۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ یہ مختلف مقامات پر دینی دار المطالعے قائم کرتی ہے، ضرورت کے مواقع پر تعلیم القرآن کے مدارس قائم کرتی ہے، جن مقامات پر مسجد نہ ہو وہاں مسجدیں تعمیر کرانے کا انتظام کرتی ہے۔ (چنانچہ مال روڈ لاہور پر مسجد شہداء کا آغاز اسی مجلس

کے تحت ہوا۔) اس کے علاوہ اصلاحی لٹریچر شائع کرتی ہے۔ اور تبلیغی وفود کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا اہتمام کرتی ہے۔

زیر نظر کتابچوں میں سے ایک میں مجلس کا تعارف، ایک میں اس کے اغراض و مقاصد اور تیسرے میں مجلس کا وہ نظام عمل ہے جو حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

چوتھا کتابچہ "اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ" حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر ہے جو مولانا محمد اقبال قریشی نے قلم بند کی ہے اور اسے مجلس کی شاخ ہارون آباد ضلع بہاولنگر نے شائع کیا ہے۔ ملنے کا پتہ: مرکز تبلیغ اسلام مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد ضلع بہاول نگر۔ (م ت ع)

تراشے : ص: ۵۲ سے آگے

تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اُسے عزت، فتح مندی اور خوشیاں حاصل ہوں گی، اور اگر حافظے سے تلاوت کرتا ہوا دیکھے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا کسی شخص سے عدالتی تنازعہ ہو گا اور اس کا دعویٰ صحیح ہو گا۔ نیز اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص امانت دار ہو گا، رقیق القلب مومن ہو گا۔ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیگا اور برائیوں سے روکے گا اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور اس کے معنیٰ بھی سمجھ رہا ہے تو یہ اسکی سلامت عقل کی دلیل ہے، اور جو شخص قرآن کریم ختم کرتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے دل کی کوئی مراد حاصل ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑا ثواب ملے گا، اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ اُس نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے (جبکہ پہلے یاد نہیں تھا) تو اُسے اپنے حالات کے مطابق کوئی اقتدار نصیب ہو گا، اور اگر کوئی شخص اپنے آپ کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے دیکھے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ کون سی سورت یا کون سی آیت پڑھ رہا ہے تو اگر وہ بیمار ہے تو انشاء اللہ اُسے شفا نصیب ہو گی، اور اگر وہ تاجر ہے تو اُسے تجارت میں فائدہ ہو گا اور اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ کسی اور سے قرآن کریم سن رہا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا اقتدار (حسب حال) مضبوط ہو گا۔ خاتمہ بہتر ہو گا اور وہ مکاروں کی سازشوں سے محفوظ رہے گا اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ اور لوگ سن رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی ایسے منصب پر فائز ہو گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل کی جائے گی اور اگر کوئی شخص خواب میں قرآن کریم کو بگاڑ کر یا اس میں خلل واقع کر کے تلاوت کرتا ہوا دیکھے تو یہ اس کی بدحالی کی علامت ہو گا۔

(تحبیب المسلمین بکلام رب العالمین، ص ۲۷ و ۲۸ بحوالہ تعبیر المنام للشیخ عبدالغنی النابلسیؒ)

حصۂ طلبہ

احتشام الحق آسیا آبادی سال ششم، دار العلوم کراچی

دُنیا ایک گاڑی ہے اور اقوام عالم اس کے پہیے، جب تک اس کے پہیے قائم رہیں گے، یہ گاڑی چلتی رہے گی لیکن جس وقت اس کے پہیے کام سے رہ گئے تو اس گاڑی کی رفتار خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ایسے ہی عالم اسلام ایک گاڑی ہے جس کے پہیے تمام مسلمان ہیں جب تک اس کے پہیے اس کا ساتھ دیں گے اور پہیے مل کر رہیں گے اس وقت تک یہ گاڑی آگے کی طرف گام زن ہوگی اور آپ نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ پہیے ایک ہی رُخ پر چلتے ہیں اور اگر ایک طرف کے پہیے مشرق کی طرف گھومنے لگیں اور دوسری طرف کے مغرب کی طرف تو کیا یہ گاڑی چلے گی؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ نجات کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ان پہیوں کی اصلاح کی جائے اور اگر وہ قابلِ اصلاح نہ رہے ہوں تو ان کو پھینک کر نئے پہیے لگانے پڑتے ہیں۔

اقوام عالم کی برائیوں سے اس دنیا کو صاف رکھنے کے لئے قدرت کی طرف سے بھی یہی دو نسخے ہمیشہ استعمال کئے گئے ہیں۔

جب بھی مدعیانِ دینِ الٰہی، باطل کے مقابلے میں باہمی افتراق کا شکار ہوئے تو یا پیغمبروں کو بھیج کر ان کی اصلاح کردی گئی ہے یا ان کے بوجھ سے پشتِ دُنیا کو آسودہ کیا گیا۔ اور ان کی جگہ ایک دوسری قوم آباد کردی گئی۔

اقوام عالم کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ جو قوم بھی باہمی افتراق کا شکار ہوئی وہ زیادہ دیر نہ رہ سکی، کیونکہ ــــــ افتراق ایک تخریبی عمل ہے، جس سے انسان کی تمام قوتیں تخریب کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ پھر دستِ تخریب کی موجودگی میں تعمیری کام کی توقع عبث ہے۔ اور مسلسل تخریب کاری کے عمل سے ایک قوم کے وجود کا

باقی رہنا مشکل بلکہ محال ہے۔ اس شکستہ حالت میں ایک قوم کا باقی رہنا تعجب سے خالی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں میں ضعف وکمزوری آئی وہ ان کے آپس کے افتراق اور عدم اتحاد کی راہ سے آئی ہے۔ ورنہ اگر یہ قوم متحد ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ ایک مٹھی بھر قوم ان پر مسلط ہو؟

اس حالت کو دیکھ کر علامہ طنطاوی اپنی کتاب "القرآن والعلوم العصریۃ" ص ۱۶ میں اپنے زمانے کی مسلمانوں کی تعداد تقریباً سینتیس کروڑ پچھتر لاکھ لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں "فسألتکم باللہ ایھا المسلمون کیف یغلب ھذا العدد الکبیر والجم الغفیر" چند سطر کے بعد پھر لکھتے ہیں "کل ذالک من الجھل والتفرق وعدم الاتحاد" یعنی یہ سب کچھ جہالت، افتراق اور عدم اتحاد کا نتیجہ ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۳۷ کروڑ تھی جس کے متعلق وہ یہ فرماتے ہیں کہ ۳۷ کروڑ مسلمانوں پر غیروں کی حکومت کہاں ہو سکتی ہے۔ آج جب کہ ایک اندازے کے مطابق ۹۰ کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اگر یہ متحد ہوتے تو کیا وجہ تھی کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت نہ بن جاتے مگر افسوس کہ ہم نے ہی آپس میں پھوٹ ڈال کر ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔

اس سلسلے میں قرآنی آیات واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا اور ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم پر غور کر کے ان کو حرزِ جاں بنانا چاہیے۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ آپس میں مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، فرد فرد اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ۔ دوسری آیت میں باہمی افتراق کے سنگین نتائج سے خبردار فرماتے ہوئے حکم دیتے ہیں کہ خبردار! آپس میں نہ جھگڑو کیونکہ اگر جھگڑے پڑے تو ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس باب میں احادیثِ رسول بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ ارشاد ہے "مثل المومن فی تراحمھم وتوادھم وتواصلھم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر" اسی کا ترجمہ شیخ سعدیؒ نے یوں کیا ہے ؎

بنی آدم اعضای یک دیگرند
کہ از آفرینش زیک جوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

ایسے ہی بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ "المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً" اگر آج ہم ایک دوسرے کے لئے یک جان دو قالب ہو کر رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر میدان میں مسلمان آگے نہ رہیں۔

افسوس کہ آج ہماری حالت قرآنی آیت کے بالکل مطابق ہے کہ تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتّٰی ۰ اللہ ہمیں ایسی دورنگی سے نجات دے۔ آمین!

○●○

مُسلمان اور انگریز

★ محمد شفیع ایرانی، سال سوئم، دار العلوم ٹنڈو الہ یار، سندھ

ہندوستان میں عیسائی سازشوں کی ابتدا ۱۳۱۶ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام سے ہوئی اور ہندوستان میں مسلمانوں اور انگریزوں کی ٹکر پلاسی (بنگال) کے میدان میں جون ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔ ہندوستان میں عیسائیوں کے مقابل مسلمانوں کی یہ پہلی شکست تھی ۱۷۵۷ء سے لے کر ۱۸۵۶ء تک سرزمینِ ہند میں مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان متعدد معرکے ہوئے اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں پورے برصغیر پر انگریزوں کا کامل تسلط ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں بھی انگریزوں نے مسلمانوں کو جس وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا اس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان حکومت کے زوال کے بعد عیسائیت نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں کی ابتداء کی، ترکی حکومت کے جو عرب علاقے تھے وہاں کے عرب سرداروں کو آزاد عرب اسٹیٹ کا سبز باغ دکھایا گیا۔ اور پہلی عالمگیر جنگ کے کم و بیش پانچ برس بعد ہی ترکی کی عظیم حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ترکی مجبور ہو گیا کہ خالص ترک صوبہ پر اکتفا کرے۔

اور پھر جب دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد ایشیا اور افریقہ سے انگریز کی بساطِ اقتدار سمٹنے لگی تو اس نے ہندوستان میں ہندوؤں کو اور شرق اوسط میں یہودیوں کو اپنا آلۂ کار بنایا اور مسلسل بیس سال سے امریکہ اور برطانیہ بلکہ اکثر عیسائی حکومتیں ہندوؤں اور یہودیوں کی مسلسل سرپرستی کر رہے ہیں تاکہ مسلمان پورے طور پر اپنی تعمیر و ترقی کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں اور پھر پہلی اور دوسری صدی ہجری کی تاریخ نہ دہرائی جائے۔

●